قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار
طلوعِ اسلام کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۱۹

کراچی: ہفتہ - ۱۱ - جون ۱۹۵۵ء

قیمت چار آنہ
سالانہ دس روپے

قرآن نے کیا کہا؟

فرقے مٹتے ہیں خالص قران کی اتباع سے - لیکن جو لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں انہیں اس بات سے چڑھ ہوجاتی ہے کہ ان کے سامنے صرف خدائے واحد کا نام کیوں لیا جاتا ہے - جن شخصیتوں کو انہوں نے مقدس مان رکھا ہے ان کا نام کیوں نہیں لیا جاتا - سورہ زمر میں ہے واذا ذکراللہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایومنون بالاخرۃ - جب ان لوگوں کے سامنے جو مستقبل کی زندگی پر ایمان نہیں رکھتے، صرف اکیلے خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل میں بڑی کبیدگی پیدا ہوتی ہے واذا ذکرالذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (۳۹/۴۰) اور جب خدا کے علاوہ اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں - وہ اسے برداشت ہی نہیں کرسکتے کہ انہیں خالص دین خداوندی کی طرف دعوت دی جائے واذا ذکرت ربک فی القران وحدہ ولو ادبار ھم نفورا (۱۷/۴۶) جب تو قران میں اکیلے خدا کا ذکر کرتا ہے تو یہ لوگ نفرت سے اپنا منہ پھیر کر چل دیتے ہیں - اس لئے کہ اس سے ان کے خود ساختہ خداؤں کا انکار ہوتا ہے -

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

1. تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو خارجی روشنی کی۔
2. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی قرآن کے بغیر اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتی۔
3. حق اور باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے مطابق ہو صحیح ہے جو اسکے خلاف ہو غلط ہے۔
4. حضور نبی اکرمؐ انسانیت کبریٰ کے بلندترین مقام پر فائز تھے لیکن بعض سازشوں نے ہماری تاریخ میں ایسی چیزیں شامل کر رکھی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہو کر سامنے آتی ہے۔ ہماری تاریخ کے ایسے تمام حصے (خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں) یکسر غلط اور وضعی ہیں۔ حضورؐ کی سیرت کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔
5. قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
6. اس عالمگیر نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں (انہیں قانون شریعت کہا جاتا ہے) یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
7. اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا (اسے ربوبیت عالمین یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے)
8. ربوبیت عالمین کے مقصد عظیم کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے افراد کی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے لحاظ سے ہو سکے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے قرآنی نظام ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے تاکہ صفات خداوندی کی روشنی میں ہر انسان کی تمام مضمر صلاحیتیں کامل نشوونما پا سکیں اور اس طرح "زمین اپنے پرورش دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھے"۔

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ تنذیر
★ پارلیمانی احیاء
★ اسیران مارشل لا
★ تاریخی شواھد
★ عورت کا قران
★ اسلام کی سرگزشت
★ مجلس اقبال
★ سنت اور حدیث کی پوزیشن
★ باب المراسلات
★ نقد و نظر
★ بزم طلوع اسلام
★ عالم اسلامی
★ بین الاقوامی جائزہ

اسلامی نظام

قیمت -/-/۲ روپے

سلیم کے نام خطوط

ایک تعلیم یافتہ نوجوان کے دل میں زندگی اور اس کے اہم مسائل کے متعلق جس قدر شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا نہایت اطمینان بخش جواب بالکل اچھوتے انداز میں ۔

صفحات ۳۰۸ قیمت چھ روپے

ابلیس و آدم

سب سے پہلا انسان کس طرح پیدا ہوا تھا؟ آدم کون تھا؟ ابلیس کون؟ جنات کیا ہیں؟ وحی کیا ہے؟ ان سوالات کے قرآنی جواب ۔

ضخامت ۳۷۶ قیمت آٹھ روپے

فردوس گم گشتہ

وہ کتاب جس کی فضاؤں میں نوجوانان ملت اپنا نصیب تلاش کر سکتے ہیں ۔

صفحات ۳۱۲ قیمت چھ روپے

اسباب زوال امت

قیمت -/۸/۱ روپیہ

ناظم ادارہ طلوع اسلام ۔ پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ - کراچی-۳

ہفتہ وار
طلوعِ اسلام

جلد ۸	۱۱ر جون ۱۹۵۵ء	نمبر

تنذیر
(A WARNING)

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے مری بات

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز کا ذکر ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی نکبت و زبوں حالی اپنی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ بساطِ سیاست پر تو یہ ایک مدت سے پٹ چکے تھے، اب ان کے مذہب پر بھی دھڑا دھڑ حملے شروع ہو گئے تھے۔ ایک طرف عیسائی مشنریوں کی "صلیبی فوج" تھی جو سیلاب کی طرح امنڈ کر آ گئی تھی۔ دوسری طرف آریوں کے پنڈت تھے جو گلی گلی، کوچے کوچے اسلام کو گالیاں دیتے پھر رہے تھے۔ ان مباحثوں اور مناظروں سے کمزور و ناتواں مسلمان تنگ آ رہا تھا کہ اتنے میں ایک طرف سے آواز آئی کہ اس مصیبت کا علاج یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں ان تمام اعتراضات کا جواب موجود ہو جو ان مشنریوں اور آریوں کی طرف سے اسلام اور حضور نبی اکرمؐ پر وارد کئے جاتے ہیں۔ یہ آواز دینے والے تھے قادیان کے مرزا غلام احمد صاحب اور ان کی مجوزہ کتاب کا نام تھا براہینِ احمدیہ۔ کمر شکستہ اور دل گرفتہ مسلمان نے اس آواز کو پیامِ سروش سمجھا اور اس کی تائید کے لئے ہر طرف سے جوق در جوق آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ مرزا صاحب نے کتاب بھی مرتب کرنی شروع کی اور اس کے ساتھ ہی ایک جماعت کی بنیاد بھی رکھ دی جس کا مقصد تبلیغِ اسلام بتایا گیا۔ لوگوں نے اس تحریک کو اپنے مستقبل کے لئے نیک فال سمجھا اور ہر طرف سے ان کی امداد شروع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ مرزا صاحب نے ایسے انداز اختیار کرنے شروع کر دیئے جن سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں سے الگ ہٹ رہے ہیں لیکن ان کے یہ انداز ابھی (حیات و وفاتِ مسیح جیسے) نظری مسائل کی حد تک تھے۔ جو لوگ ان کے ان عقائد سے اختلاف رکھتے تھے انہوں نے ان کی مخالفت شروع کی تو ملک کا ایک اچھا خاصا سنجیدہ طبقہ تھا جس نے ان مخالفت کرنے والوں کو بھی شاکی شخص اور اس کی جماعت، تبلیغِ اسلام کا اہم کام کر رہی ہے اور تم خواہ مخواہ (اس قسم کے نظری مسائل میں اختلاف کی بناء پر) اس کے کام میں روڑے اٹکا رہے ہو۔ یہ جماعت، تبلیغ کی آڑ میں آگے بڑھتی اور مسلمانوں سے الگ ہوتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ایک دن، مرزا صاحب نے اعلان کر دیا کہ مسلمان صرف وہ اور ان کی جماعت ہے۔ باقی مسلمان، مسلمان ہی نہیں۔ ان میں سے جس نے مسلمان ہونا ہو، وہ ان کے ہاتھ پر تجدیدِ ایمان کرے۔ چنانچہ اُن کے اس شعر

چو دورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

کی تشریح کرتے ہوئے، صاحبزادہ بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

> اس الہامی شعر میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ کفر و اسلام کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس میں خدا نے غیر احمدیوں کو مسلمان بھی کہا ہے اور پھر ان کے اسلام کا انکار بھی کیا ہے۔ مسلمان تو اس لئے کہا ہے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور جب تک یہ لفظ استعمال نہ کیا جائے لوگوں کو پتہ نہیں چلتا کہ کون مراد ہے۔ مگر ان کے اسلام کا اس لئے انکار کیا گیا ہے کہ وہ اب خدا کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پھر نئے سرے سے مسلمان کیا جائے۔ (کلمۃ الفصل)

چنانچہ اب حالت یہ ہے کہ یہ جماعت، مسلمانوں کے لئے خارِ پہلو بلکہ آشوبِ چشم بن رہی ہے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس آشوبِ جگر سوز کا علاج کیا کیا جائے۔ اگر سادہ لوح مسلمان شروع ہی سے اس خطرہ کو بھانپ لیتا اور ان کے "تبلیغِ اسلام" کے فریب میں نہ آ جاتا تو یہ مستقل مصیبت ان کے گلے کبھی نہ پڑتی۔

بعینہٖ اسی قسم کا ایک اور خطرہ ہے۔ جو دس پندرہ سال ادھر سے برابر ابھرتا چلا آ رہا ہے۔ اور سادہ لوح مسلمان کچھ نہیں سمجھتا کہ ان مقدس نقابوں کی اوٹ میں اس کے لئے ہلاکت انگیزیوں کی کتنی بڑی قیامت چھپ رہی ہے۔ جب مسلمانوں نے پاکستان کی آواز بلند کی (جس کی بنیاد مسلمانوں کے جداگانہ قومیت کے اصول پر تھی) تو "علمائے کرام" کی طرف سے اس کی مخالفت شروع ہو گئی اور انہوں نے متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کیا۔ مفاد پرست ہندو کا روپیہ ان علماء کی جیبوں میں تھا اور پراپیگنڈے کی ساری قوتیں ان کے ساتھ۔ مسلمان کمزور اور غریب تھا اس لئے ان کی مخالفت سے دل گرفتہ۔ اس کے لئے، ہر وہ آواز جو متحدہ قومیت کے خلاف اٹھتی تھی صدائے سروش تھی اور در خور ہزار تحسین و تہنیت۔ عین اس زمانہ میں حیدر آباد (دکن) سے، سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے رسالہ (ترجمان القرآن) میں، متحدہ قومیت کے خلاف مضامین لکھنے شروع کئے۔ مودودی صاحب جرنلزم کے ٹیکنیک اور میکنکس سے خوب واقف ہیں اس لئے ان کے مضامین کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ حیدر آباد میں انہیں معاشی مجبوریاں ستا رہی تھیں۔ اس لئے وہ اس مقبولیت کی پونجی کو ساتھ لے کر سرزمین پنجاب کی طرف منتقل ہو گئے۔ اس سرزمین کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جذباتی بیج بہت جلد برگ و بار لے آتے ہیں۔ "متحدہ قومیت" کی مخالفت کی آڑ میں مودودی صاحب نے مرزا صاحب کی طرح ایک جماعت کی بنیاد رکھ دی جس کا اصل الاصول (مرزائی صاحبان کی طرح) باقی مسلمانوں سے نفرت اور اپنے آپ کو حق اور صالحیت کا علمبردار سمجھنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہاں ایک اور چیز بھی تھی جس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ تحریکِ پاکستان کے دوران میں بالعموم، اور تشکیلِ پاکستان کے بعد بالخصوص، ہمارے برسرِ اقتدار طبقہ کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی (اور ہے) جو سیرت و کردار کے لحاظ سے بہت پست تھے۔ ذہنی طور پر بالعموم سطحی مغربیت کے دلدادہ اور کیرکٹر کے لحاظ سے ناخوشگوار آئند۔ مودودی صاحب نے اس صورتِ حالات سے فائدہ اٹھایا۔ اور لوگوں کو اس طبقہ کے خلاف بھڑکا کر اپنی مقبولیت بڑھانا شروع کی۔ چنانچہ انہوں نے پہلے ان تمام جماعتوں کو جنس کاسد قرار دیا جو اس وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ کر رہی تھیں۔ ان میں مسٹر جناح اور ان کی تحریکِ پاکستان سب سے زیادہ لائقِ تعزیر تھی۔ مودودی صاحب نے لکھا تھا۔

> اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو مختلف جماعتیں اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں اگر فی الواقع اسلام کے معیار پر ان کے نظریات، مقاصد اور کارناموں کو پرکھا جائے تو سب کی سب جنس کاسد

نکلیں گی، خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں، یا علمائے دین و مفتیان شرع متین۔ دونو قسم کے راہ نما اپنے نظریہ اور پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں۔ دونوں حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔ (سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۳۰)

رفتہ رفتہ ان کے خیالات پھیلنے لگے۔ ان خیالات کا نقطہ ماسکہ یہی تھا کہ عوام مسلمان محض "مردم شماری" کے رجسٹر کے مسلمان ہیں۔ اور ان کے خواص افرنگ زدہ، جاہل اور عیاش۔ لہٰذا ان میں مسلمان درحقیقت کوئی بھی نہیں۔

> یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں اور نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔ نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔
> (سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۰۵)

اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ان "نا مسلمان مسلمانوں" کے دوبارہ مسلمان ہونے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ مودودی صاحب کے ہاتھ پر تجدید بیعت کریں۔ چنانچہ انہوں نے واضح الفاظ میں لکھ دیا کہ

> یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے بعد جو شخص اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله کہنے کی جرأت کرے صرف وہی اس جماعت میں داخل ہو سکتا ہے خواہ وہ نسلاً غیر مسلم ہو اور ابتداءً یہ شہادت ادا کرے یا پیدائشی مسلمان ہو اور پورے فہم اور شعور کے ساتھ اپنے سابق ایمان کی تجدید کرے۔
> (ایضاً صفحہ ۱۴۷)

آپ غور فرمائیے کہ اس میں اور جو کچھ میرزا صاحب نے کہا اور کیا تھا، اس میں کچھ بھی فرق ہے؟ چنانچہ جس طرح انہوں نے، انہی مسلمانوں کے اندر سے ایک نئی "مسلمانوں کی جماعت" تراشی تھی، اسی طرح انہوں نے انہی پیدائشی مسلمانوں کے انبوہ عظیم میں حقیقی مسلمانوں کی جماعت الگ کر لی۔ اس جماعت کا نام جماعت اسلامی ہے، جو اپنے آپ کو صالحین سمجھتے اور کہتے ہیں۔ (میرزائی حضرات کی طرح) اس جماعت کی خصوصیت کبریٰ یہ ہے کہ انہیں دوسرے مسلمانوں سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو سچے اسلام کے حامل اور اقامت دین کے علمبردار خیال کرتے ہیں۔ ان کے قلبی تعلقات صرف اپنی جماعت کے لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اب شادی بیاہ کے سلسلہ میں بھی انہوں نے یہ روش اختیار کرنا شروع کر دی ہے کہ وہ بھی اپنی جماعت کے اندر ہو (اس سلسلہ میں طلوع اسلام میں ایک اشتہار بھی نقل کیا جا چکا ہے جس میں رشتہ کے متعلق لکھا گیا تھا کہ لڑکی والوں کے لئے جماعت اسلامی کے خیالات کا ہونا ضروری ہے) اس جذبۂ اعتزال و نفرت نے ان کے دل میں کبر و نخوت اور تعصب و تنگ نظری کے جذبات شدت سے پیدا کر رکھے ہیں اور وہ دوسروں کو عجیب قسم کے طنز و استہزاء تحقیر و تضحیک کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف خود مودودی صاحب کو بھی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی جماعت کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

> اپنی تقریر ختم کرنے سے پہلے ایک آخری بات کی طرف آپ لوگوں کی توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمارے حلقۂ رفقاء میں ایک اچھا خاصا گروہ ایسا پایا جاتا ہے جس نے تبلیغ و اصلاح کے کام میں تشدد اور سخت گیری کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ جو سوالات ان کی طرف سے میرے پاس آتے رہتے ہیں ان سے میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ان کے اندر بگڑے ہوئے لوگوں کو سنوارنے کی بیتابی اتنی زیادہ نہیں جتنی اپنے سے کاٹ کر پھینک دینے کی بے تابی ہے۔ دینی حرارت نے ان میں ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ اتنا بلند نہیں کیا جتنا نفرت اور غصہ کا جذبہ ابھار دیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر یہ پوچھتے ہیں کہ جو لوگ ایسے اور ایسے ہیں آخر ہم تعلقات کیوں نہ منقطع کر لیں اور ان کے ساتھ نمازیں کیوں پڑھیں اور ان کو کافر و مشرک کیوں نہ کہیں...... مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے فضل اور اپنی خوش قسمتی سے حق کو پایا ہے ان کے اندر اس وجدان حق نے شکر کے بجائے کبر کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ اور اس کا اظہار ان شکلوں میں ہو رہا ہے۔
> (دعوت اسلام اور اس کے مطالبات صفحہ ۱۲)

اس قسم کی جماعت (جو اس تعلیم کا لازمی نتیجہ ہے جو مودودی صاحب ایک مدت سے دیتے چلے آ رہے ہیں) خالص مذہبی دائرہ کے اندر بھی کچھ کم خطرناک نہیں ہوتی لیکن جب وہ سیاسی عزائم لیکر اٹھے اور آگے بڑھے تو یہ ایک عظیم خطرہ کا موجب بن جاتی ہے۔ مرزائی جماعت نے جب تک اپنے آپ کو صرف مذہبی جماعت بنائے رکھا، وہ قوم کے لئے اتنی خطرناک نہیں تھی۔ لیکن جب اس نے من حیث الجماعت، سیاسی مفاد میں حصہ لینا شروع کیا تو ان کا مسئلہ ملت کے لئے ایک لاینحل مسئلہ بن گیا۔ بات بالکل صاف ہے۔ اگر ایک مسلمان (شومئی قسمت سے) عیسائی یا آریہ ہو جاتا ہے تو اس کی پوزیشن بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ لیکن جب ایک جماعت مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ سمجھے اور ان سے سخت نفرت کرے، تو اس کا وجود ایک ایسی پھانس بن جاتا ہے جس سے نہ دن کو چین مل سکتا ہے نہ رات کو آرام۔ اس اعتبار سے جماعت اسلامی، مرزائیوں کی جماعت سے بھی زیادہ پُرخطر ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد ہی حصول اقتدار پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب کا یہ اعلان موجود ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت بنانا چاہتے ہیں جو

> اسلام کے اصولوں پر ایک نئے اجتماعی نظام اور ایک نئی تہذیب کا پروگرام لے کر اٹھے اور عامۂ خلائق کے سامنے اپنے پروگرام کو پیش کر کے زیادہ سے زیادہ سیاسی طاقت فراہم کرے اور بالآخر حکومت کی مشینری پر قابض ہو جائے۔
> (ترجمان القرآن۔ دسمبر ۱۹۳۶ء)

آپ سوچئے کہ جس جماعت کے جذبات وہ ہوں جن کا ذکر آپ خود مودودی صاحب کی زبان سے اوپر سن چکے ہیں۔ اور جس کے عزائم یہ ہوں، وہ جماعت اگر معاشرتی یا سیاسی اقتدار حاصل کرلے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کے بعد یہ دیکھئے کہ اس جماعت کی ٹکنیک کیا ہے؟ انہوں نے پروپیگنڈہ کا فن نازیوں سے سیکھا ہے اور جنگ کی حکمت (STRATEGY) کمیونسٹوں سے۔ ان کا عقیدہ اور مسلک (جس کا اظہار ان کے عمل سے ہوتا رہتا ہے) یہ ہے کہ

(۱) کسی اصول پر قائم نہ رہو جس قسم کا موقع اور محل دیکھو اس قسم کی بات کرو۔ چنانچہ آپ کو خود مودودی صاحب کی تحریروں میں اس قدر متضاد باتیں نظر آئیں گی جنہیں دیکھ کر آپ حیران رہ جائیں گے کہ کیا ایک ایسا ذمہ دار شخص اس طرح پینترے بھی بدل سکتا ہے۔

(۲) جھوٹ کو برابر دہراتے جاؤ۔ حتیٰ کہ وہ سچ بن کر دکھائی دینے لگے۔ بات ہمیشہ مبہم اور گول مول کرو تاکہ اس سے جس قسم کا مطلب چاہو نکال لو۔

(۳) اپنے مخالفین کی کسی دلیل کا کبھی جواب نہ دو لیکن ان کے خلاف بہتان تراشتے جاؤ۔ اور ان کا اس طرح پروپیگنڈا کرو کہ ساری فضا اس سے متاثر ہو جائے۔

(۴) عوام کو ہر طرح سے اپنے ساتھ رکھو۔ ان کے جذبات کو برابر ابھارتے رہو۔ اور یہ سب کچھ خدا اور رسول کے نام پر کرو۔

(۵) مولویوں کو اس کا لالچ دو کہ جب شرعی نظام (یعنی اس جماعت کی حکومت) قائم ہو جائے گی تو اس میں ان سب کا حصہ ہوگا۔ اس طرح ہر مسجد کو اپنی تحریک کے پروپیگنڈے کا مرکز بنا لو۔ اور وہاں سے اپنے مخالفین کو برابر گالیاں دلواتے جاؤ۔

(۶) اپنی وضع قطع ایسی رکھو جس سے عوام تمہیں بڑا دیندار سمجھیں۔

انہوں نے پروپیگنڈہ کا فن ہی نہیں بلکہ تنظیم کا طریقہ بھی فاسشٹوں سے سیکھا ہے۔ چنانچہ کچھ مرکز تو ایسے ہیں جو کھلے طور پر جماعت اسلامی کا لیبل اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ لیکن بے شمار مراکز ایسے ہیں جو علانیہ طور پر اپنے آپ کو اس جماعت کے ساتھ منسلک نہیں قرار دیتے نہ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن جو درحقیقت اس تحریک کے مبلغ ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس تمام تنظیم و تحریک کے لئے بہت بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی اس کے لئے انہوں نے نہایت اطمینان بخش انتظام کر رکھا ہے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اب زمانے کے تقاضے ایسے ہیں جن میں سرمایہ دار طبقہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں پاتا۔ زمیندار، جاگیردار، کارخانہ دار، بڑے بڑے صاحبان جائداد، اور تجار ہر ایک کا دل دھڑکتا رہتا ہے کہ نہ معلوم ہم پر کب اور کس طرف سے کوئی آفت آجائے۔ اس جماعت نے ان کی اس قلبی

کیفیت کو بھانپ رکھا ہے اور اس سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے جو اسلام پیش کیا ہے اس کی رو سے بتایا ہے کہ شریعت ذاتی املاک پر کوئی حد عائد نہیں کرتی۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ "بے حد و نہایت" جائیداد اپنی ملکیت میں رکھے۔ لہٰذا کوئی حکومت ان کی اس ملکیت کو ان سے چھین نہیں سکتی۔ یہ خدا و رسول کی طرف سے دیا ہوا حق ہے۔ جسے کوئی غصب نہیں کر سکتا۔ جو ایسا کریگا وہ احدث فی الدین کے جرم کا مرتکب ہوگا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے مودودی صاحب کی کتاب "ملکیت زمین کا مسئلہ")۔ اس سے اس جماعت نے اپنے لئے وہ مقام حاصل کر لیا ہے کہ سرمایہ دار طبقہ اسے اپنا محافظ و نگران سمجھتا ہے اور چونکہ سرمایہ دار کا عقیدہ یہ ہے کہ "جب سارا دھن دیکھئے جاتا آدھا دیجئے بانٹ" اس لئے اس نے ان کے لئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول رکھے ہیں۔ چنانچہ اگلے دنوں جب لاہور کے سوداگروں نے جب مودودی صاحب کو دس ہزار تین سو روپے کی تھیلی پیش کی تو مودودی صاحب نے جواب میں کہا کہ لوگ ہمیں طعن کرتے ہیں کہ ہم باہر سے (امریکہ سے) مدد لیتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ جب ہمیں خود اپنی قوم سے اس قدر ملتا ہے تو ہمیں باہر سے امداد حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسی سرمایہ کے زور پر انہوں نے تنخواہ دار کارکن رکھے ہوئے ہیں جو اپنے امیر (مودودی صاحب) کی کسی بات پر تنقید کرنے کی جرأت ہی نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کریں تو روٹی کہاں سے کھائیں!

بہرحال یہ ہے وہ جماعت جو اس وقت نظام شریعت کی آڑ میں حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اگر اس جماعت کو اقتدار حاصل ہو گیا تو وہ جس قسم کی حکومت یہاں قائم کرے گی ان کے متعلق خود انہی کی زبان سے سنئے۔ مودودی صاحب اپنے تصور کی اسٹیٹ کے متعلق فرماتے ہیں۔

> اس قسم کا اسٹیٹ ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کلی اسٹیٹ ہے۔۔۔۔۔۔۔ اس کے مقابلے میں کوئی شخص اپنے کسی معاملے کو پرائیویٹ اور شخصی PERSONAL نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے۔

(اسلام کا نظریہ سیاسی صفحہ ۳۴)

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک خاص مسلک رکھنے والی پارٹی کا اسٹیٹ ہے جو اس پارٹی کے مسلک کو قبول نہیں کرے گا وہ اسٹیٹ کے حدود میں ذمی کی حیثیت سے رہ سکتا ہے" (ایضاً ۳۵) لیکن ذمی کی حیثیت سے صرف غیر مسلم رہ سکے گا۔ جو مسلمان اس پارٹی کے مسلک کو قبول نہیں کرے گا وہ مرتد قرار دیا جائے گا اور مرتد کے متعلق مودودی صاحب کا فیصلہ ہے کہ اس کی سزا موت ہوگی۔ (دیکھئے مودودی صاحب کا پمفلٹ "مرتد کی سزا")۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، مودودی صاحب کے نزدیک مسلمان وہی ہے جو ان کے ہاتھ پر اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اس طرح ان کی پارٹی میں شامل ہو جائے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ ان کے الفاظ میں "مردم شماری کے رجسٹر" کا مسلمان ہے، جس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس لئے ان کے تصور کی اسلامی اسٹیٹ، درحقیقت ان کی اپنی پارٹی کی اسٹیٹ ہوگی۔ یہ تو رہا مملکت پاکستان کے اندر لینے والوں کے متعلق۔ دوسری اقوام کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ اگر ان سے جنگ ہوئی تو جنگ کے قیدی غلام بنائے جائیں گے اور ان کی عورتیں لونڈیوں کی حیثیت سے گھروں میں داخل کر لی جائیں گی جن سے بلا لحاظ تعداد جنسی لذت اندوزی حاصل کی جائے گی اور جب جی چاہے فروخت کر دیا جا سکے گا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے، تین اہم مسائل۔ شائع کردہ طلوع اسلام)

ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے ان میں سے بعض باتیں شاید ان لوگوں کے نزدیک تعجب انگیز ہوں جو جماعت اسلامی کے لٹریچر سے ناآشنا ہیں۔ ان کی اطلاع کے لئے ہم اتنا لکھ دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے، اپنی پوری ذمہ داری سے لکھا ہے۔ اور ہمارے پاس ہر بات کی سند موجود ہے۔

یہ ہے وہ جماعت اسلامی جس کی مخالفت میں طلوع اسلام مسلسل و متواتر لکھتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن اس نہایت ہوشیار جماعت نے لوگوں میں مشہور یہ کر رکھا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ طلوع اسلام حدیث کا منکر ہے اور جماعت اسلامی سنت رسول اللہ کی سب سے بڑی حامی ہے اس لئے طلوع اسلام ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہے کہ عام طور پر سمجھا یہی جاتا ہے کہ "طلوع اسلام اور جماعت اسلامی میں مابہ النزاع مسئلہ حدیث و سنت" کا نظری سوال ہے۔ اسے عملی زندگی سے کچھ تعلق نہیں۔ جماعت اسلامی نظام شریعت رائج کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ اس لئے اس کی تائید ضروری ہے" ہم قوم کو کھلے کھلے الفاظ میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ سوال "حدیث و سنت" کے اختلاف کا نہیں۔ یہ لوگ سادہ لوح مسلمان کو دھوکے میں رکھ رہے ہیں تاکہ ان کی توجہ اسی طرف مبذول رہے اور وہ ان کے حقیقی عزائم سے بے خبر رہیں۔ طلوع اسلام اس لئے ان کی مخالفت کرتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ جماعت پاکستان اور اسلام دونوں کے لئے سخت خطرہ کا باعث ہے۔ اگر (خدا نکردہ) انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو یہ اس قسم کا مستبد نظام قائم کریں گے جس سے مسولینی، ہٹلر اور اسٹالن کی روحیں بھی شرما جائیں۔ آپ نے تاریخ میں عیسائیت کے احتساب (Inquisition) کی لرزہ انگیز داستانیں پڑھی ہوں گی۔ یہ اس کی یاد تازہ کرا دیں گے۔ تاریخ انسانیت اس پر شاہد ہے، کہ دنیا میں بدترین قسم کا ظلم "خدا کے نام" پر برپا کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ جس ظلم کو حصول جنت کا ذریعہ قرار دے لیا جائے اس میں انسان جس قدر آگے بڑھتا جائے گا، خوش ہوتا چلا جائے گا۔ ممکن ہے آج یہ باتیں آپ کو کچھ زیادہ اپیل نہ کریں لیکن ہم گذشتہ پندرہ بیس سال سے ان حضرات کے خیالات، نفسیات، عزائم اور مقاصد کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس کے بعد علیٰ وجہ البصیرت اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ اور اس نتیجہ کے لئے اپنے پاس دلائل رکھتے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ طلوع اسلام کو اس جماعت سے کوئی ذاتی مخاصمت نہیں ذاتی مخاصمت، ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ سے ہوتی ہے۔ طلوع اسلام کا تعلق کسی فرقے سے نہیں۔ یا ایک پارٹی کو دوسری پارٹی سے ہوتی ہے۔ طلوع اسلام کی کوئی پارٹی نہیں۔ طلوع اسلام نہ مذہبی تقدس کا خواہاں ہے۔ نہ سیاسی اقتدار کا متمنی۔ اس کے سامنے مقصد فقط یہ ہے کہ اس خطۂ زمین میں قرآن کے خطوط پر معاشرہ قائم ہو جائے تاکہ مسلمان از منۂ مظلمہ کے رجعت پسندانہ مسلک سے نجات پا کر سرفرازی و سربلندی اور حریت و عزیمت کی زندگی بسر کر سکے، اور اس کے بعد باقی دنیا بھی قرآن سے قریب تر ہوتی چلی جائے۔ اس مقصد کے لئے طلوع اسلام کسی ہنگامی تحریک کا نہ تو کبھی داعی ہے نہ داعی۔ وہ صرف فکری انقلاب کے لئے کوشاں ہے۔ جس میں کسی قسم کے اکراہ و استبداد کا کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا اس کی کسی پارٹی یا کسی فرقہ سے کوئی ذاتی مخاصمت نہیں۔ بنا بریں وہ جماعت اسلامی کے خلاف بھی جو کچھ کہتا ہے، ملک اور قوم کو ایک شدید خطرہ سے بچانے کے لئے کہتا ہے۔ ہمیں تو بلکہ اس کا سخت رنج ہے کہ تقسیم سے پہلے طلوع اسلام کی بیشتر مساعی "متحدہ قومیت" کے داعی "علماء کرام" کی نامراد کوششوں کی مدافعت میں صرف ہو گئیں۔ اور اب تقسیم کے بعد، اس کی توانائیوں کا بیشتر حصہ اس تخریب کی روک تھام میں صرف ہو رہا ہے جو جماعت اسلامی کے ہاتھوں پیدا ہو رہی ہے۔ لیکن اسے یہ کچھ بعد مجبوری کرنا پڑتا ہے اس لئے کہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ خطرہ کس قدر ہیبت ناک ہے۔

ہم قوم کے ہوشمند طبقہ سے باادب گذارش کریں گے کہ وہ مندرجہ صدر معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور سوچیں کہ انہوں نے اور ان کی آنے والی نسلوں نے اس ملک میں رہنا ہے۔ اگر یہاں اس قسم کی ذہنیت کو جسے جماعت اسلامی پیدا اور بیدار کر رہی ہے، فروغ و اقتدار حاصل ہو گیا تو کیا اس ملک میں کوئی شخص اطمینان کا سانس لے سکے گا۔

ہم "مذہبی دیوانگی" (FANATICISM) انسانیت کے ساتھ کیا سلوک کیا کرتی ہے اس پر دنیائے مذاہب کی تاریخ شاہد ہے۔ خود مسلمانوں کی تاریخ میں بھی دیکھئے مذہب کے نام پر سادہ لوح عوام کے جذبات نفرت و انتقام کو بھڑکا کر کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ جو کچھ اس سے پہلے مفاد پرست گروہ مذہب کے نقاب میں کر چکے ہیں وہی کچھ جماعت اسلامی کے پیش نظر ہے۔ لہٰذا یہاں بھی وہی کچھ ہوگا جو اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ ہم نے اس تنذیر کو ان کھلے کھلے الفاظ میں صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر دیا ہے کہ اگر کوئی صاحب بصیرت اس سے اس وقت نصیحت حاصل کرنا چاہے تو کر لے۔ اور اگر کوئی بھی اس سے نصیحت حاصل نہ کرے تو کم از کم آنے والا مورخ اتنا تو دیکھ سکے کہ اس شوریدہ بخت قوم کو کسی نے بر وقت متنبہ کر دیا تھا لیکن اس نے اس کی بات پر کان نہ دھرا اور تباہی کے جہنم میں گر گئی۔

کوئی ہے جو ان حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کر کے ملک اور قوم کو اس تباہی سے بچانے کی فکر کرے؟

اے عقل چہ می گوئی؟ اے عشق چہ فرمائی؟

۳ر جون کو وزیر اعظم محمد علی صاحب نے ڈھاکہ سے مشرقی پاکستان میں پارلیمانی احیاء کا اعلان کر کے سارے ملک کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ دفعہ ۹۲۔ الف کا خاتمہ تو ایک دن ہونا تھا۔ اور اگر وزیر اعظم حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا وقت آ پہنچا ہے تو ہم ان سے اس بارے میں نہیں الجھتے۔ لیکن انھوں نے جس طریق سے صوبے کو مولوی فضل الحق کے قدموں میں ڈال دیا ہے۔ اس سے گستاخی معاف یہ مترشح ہوتا ہے کہ انھیں نہ صوبے کا مفاد عزیز ہے نہ ملک کے مفاد کا پاس۔ ایسا نظر آتا ہے کہ وزیر اعظم صاحب یہ تہیہ کر کے ڈھاکہ پہنچے تھے کہ اب کے بار نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر مشرقی پاکستان کی جاگیر مولوی صاحب کو بخش دیں گے۔

یہ مولوی فضل الحق صاحب کون ہیں؟ ہم ان کے متعلق ذاتی معلومات کی بنا پر کچھ نہیں کہتے۔ گذشتہ سال ہمارے وزیر اعظم صاحب نے قائد اعظم کے فرمودات کے حوالے دے کر ثابت کیا تھا کہ مولوی صاحب "غدار" ہیں اور وہ اس قابل نہیں کہ انھیں وزیر اعلیٰ رہنے دیا جائے۔ اس وقت سے لے کر اب تک یعنی پورے ایک سال تک ملک بھر میں انتظار رہا کہ مولوی صاحب کے خلاف جو الزامات ہیں ان کی تحقیق و تفتیش ہوگی اور اگر ان کا جرم ثابت ہوا تو انھیں قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ واضح رہے کہ کسی مملکت میں غداری سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ یہی نہیں بلکہ مولوی صاحب نے بھی نہ اس کے لئے معافی مانگی اور نہ کسی قسم کی توبہ کی۔ اب تک ہمیں بتایا یہ جاتا رہا کہ اگر مولوی صاحب راستے سے ہٹ جائیں تو وزارت بنا دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی۔ یہ بات قابل فہم تھی کیونکہ جسے اس قدر علانیہ طور پر "غدار" کہا گیا تھا۔ اسے صوبہ کا اقتدار کیسے سونپا جا سکتا تھا؟

لیکن اب یہ اچانک کیا ہو گیا کہ وزیر اعظم نے صوبہ بھر کی نہیں ملک بھر کی قسمت کا سودا انہی مولوی صاحب سے کر لیا! آپ فرماتے ہیں کہ یوں تو متحدہ محاذ کے لیڈر مولوی فضل الحق ہی کو اسمبلی میں اکثریت کا مالک ہونے کی حیثیت سے وزارت سازی کی دعوت دی جاتی۔ لیکن مجلس دستور ساز کے انتخابات نے ملک کے سامنے جو چند در چند مسائل پیدا کر دیئے ہیں، ان کے پیش نظر انھوں نے اپنا یہ حق ایک نامزد کو تفویض کر دیا ہے اور اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے تاکہ اپنا وقت اور قوت یکسوئی سے ان مسائل پر صرف کر سکیں۔

ذرا اندازہ لگایئے کہ اس مختصر سے اعلان میں کتنی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔

(۱) مولوی صاحب کو متحدہ محاذ کا لیڈر کہا گیا ہے مولوی صاحب متحدہ محاذ کے لیڈر تھے۔ لیکن ۸ر فروری ۱۹۵۵ء کو متحدہ محاذ کا جو جلسہ ہوا اس میں ایسی ہڑبونگ مچی کہ کچھ پتہ ہی نہ چلا کہ اس میں کیا کارروائی ہوئی۔ جلسہ کے بعد مولوی صاحب نے اعلان کیا کہ وہ متحدہ محاذ کے لیڈر از سر نو منتخب ہو گئے ہیں، دوسرا اعلان شیخ عطاء الرحمن سکرٹری عوامی لیگ کی طرف سے شائع ہوا اس میں دعویٰ کیا گیا کہ شیخ صاحب لیڈر منتخب ہوئے ہیں۔

انہی دنوں وزیر اعظم مطالعہ حالات کے لئے ایک بار پھر ڈھاکے تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنے تاثرات یکم مارچ کی نشری تقریر میں بیان کئے۔ آپ نے فرمایا کہ مرکز نے دفعہ ۹۲۔ الف کے خاتمے کا تقریباً فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن متحدہ محاذ میں جو خانہ جنگی مچی ہوئی ہے اس کے پیش نظر حکومت مجبور ہے کہ ایسا قدم نہ اٹھائے۔ انھوں نے اسے جنگ اقتدار بھی کہا۔ جو حالت ۸ر فروری کے جلسے سے پیدا ہوئی تھی۔ وہ بدستور قائم ہے۔ لیکن وزیر اعظم اس وقت تو مطالعہ حالات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس خانہ جنگی میں پارلیمانی احیاء خارج از بحث ہے۔ لیکن آج وہ مولوی صاحب کو متحدہ محاذ کا لیڈر قرار دے رہے ہیں۔ کیا وزیر اعظم ہمیں بتائیں گے کہ مولوی صاحب کب متحدہ محاذ کے لیڈر منتخب ہوئے؟ یا یہ کہ شیخ عطاء الرحمن صاحب نے لیڈری کا جو دعویٰ اس وقت کیا تھا وہ اب اس سے دستبردار ہو گئے ہیں؟

(۲) مولوی فضل الحق کو وزیر اعلیٰ تو نہیں بننے دیا گیا۔ لیکن وزیر اعلیٰ سے اونچا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اب وہ بادشاہ نہیں بلکہ بادشاہ گر بن گئے ہیں۔ ان پر وزیر اعظم نے غداری کا جو الزام لگایا تھا اگر وہ صحیح تھا تو ایک غدار کے نامزد کو "غدار" نہیں کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا۔ وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب کے ساتھ اسمبلی کی اکثریت ہے۔ اس توجیہ کا ذرا تجزیہ کر کے دیکھئے کہ بات کیا نکلتی ہے! اگر مولوی صاحب غداری کے الزام میں عدالت میں کھڑے ہوتے اور یہ کہہ دیا جاتا کہ ان کے ساتھ اور بہت سے آدمی ہیں تو اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ یہ شخص تنہا نہیں بلکہ ایک گروہ GANG کا سرغنہ ہے۔ لہٰذا اس گروہ کا بھی سراغ لگایا جائے۔ کیونکہ ایک غدار کے ساتھی بھی بہرحال غدار ہوں گے۔

(۳) اسی پر اکتفا نہیں کہ مولوی صاحب کو وزیر اعلیٰ نامزد کرنے کا منصب عطا کیا گیا ہے۔ بلکہ ان کا مقام یہ بتایا گیا ہے کہ اب وہ اپنا تمام وقت اور پوری قوت ان مسائل پر مرکوز کریں گے جو مجلس دستور ساز کے انتخاب کی وجہ سے ملک کے سامنے آ گئے ہیں۔ یہ مولوی صاحب وہی بزرگ ہیں جنھوں نے گذشتہ سال بہت بڑی اکثریت کے باوجود تین وزراء کی وزارت مرتب کی تھی۔ ان میں سے ایک وہ خود تھے۔ ایک ان کے رشتہ دار اور ایک صاحب اور۔ یہ وزارت ساٹھ دن کی مدت حیات میں مکمل نہیں ہو سکی تھی۔ لیکن اس قلیل مدت میں کم از کم تین ایسے خونین فسادات کی ذمہ دار بنی تھی جنھوں نے سارے پاکستان کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ اب یہی غدار ملک بھر کے لئے وہ حیثیت اختیار کر جائیں گے جو ہندوستان میں مہاتما گاندھی کی تھی۔ اور وزیر اعظم اس پر صاد کر رہے ہیں!

اگر وزیر اعظم نے اپنی ذاتی جاگیر کے متعلق اس قسم کے فیصلے کئے ہوتے تو ہم اس کے لئے لب کشائی بھی نہ کرتے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ پاکستان کسی کی جاگیر نہیں۔ اور کسی کو یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اسے جسے جی چاہے یونہی بخش دے، خواہ وہ غدار ہی کیوں نہ ہو۔ ہم وزیر اعظم صاحب سے استدعا کریں گے کہ اگر انھیں ان سیاسی روباہ بازیوں سے کبھی فرصت ملے تو وہ ذرا خلوت میں بیٹھ کر سوچیں کہ ان کے فیصلے کے نشتر کی زد کہاں تک پہونچی ہے۔ یہ پارلیمانی احیاء نہیں بلکہ ملک کی بربادی کے سامان ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔ اس ملک کی تباہی کے سامان جس کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ اسے جس کے سپرد جی چاہے کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ایک نخاس میں بکنے والے غلام کی طرح ساکت و صامت اور بے کس و بے بس مجبور کھڑا ہے۔ اور ایک حرف بھی زبان پر نہیں لا سکتا

تقاضائے انصاف

تین سال قبل جب مارشل لا کے سلسلہ میں سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کو سزا دی گئی تھی تو طلوع اسلام نے تفصیل سے لکھا تھا کہ اس طرح حکومت نے غیر دانشمندانہ رازداری سے کام لیتے ہوئے جماعت اسلامی کو یہ موقعہ دیا کہ وہ عوام کے دل میں یہ بات بٹھا دے کہ مودودی صاحب کا جرم کچھ نہیں اور انھیں یونہی سزا دی جا رہی ہے۔ ادھر یہ فضا پیدا کی جا رہی تھی۔ ادھر حکومت نے اپنی اس غلطی کو چھپانے یا اس کا ازالہ کرنے کے لئے دوسری غلطی کی۔ یعنی مودودی صاحب کی سزا پھانسی سے کم کر کے چودہ سال میں تبدیل کر دی۔ پھر تین سال تک کر دی۔ اس تخفیف در تخفیف سے جماعت اسلامی نے یہ نتیجہ نکالا کہ حکومت نے ان کے دباؤ میں آ کر ایسا کیا۔ چنانچہ جب عدالت نے مودودی صاحب کو ضمانت پر رہا کیا تو ان کی جماعت نے یہ تحریک شروع کر دی کہ حکومت انھیں پھر سے جیل میں بھیجنے کی غلطی نہ کرے۔ یہ مہم شروع ہوئی تو حکومت نے اچانک یہ اعلان کر دیا کہ جن اسیران مارشل لا کی سزا تین سال تک ہے ان کی بقایا سزا منسوخ سمجھی جائے۔ حکومت نے یہ نہیں بتایا کہ اس وقت سزا کی تنسیخ کیوں عمل میں لائی جا رہی ہے اور صرف انہی قیدیوں کی سزا منسوخ کیوں کی جا رہی ہے جن کی مدت سزا تین سال کی تھی۔ حکومت کی خاموشی کا یہی مفہوم لیا جا سکتا ہے کہ تین سال کی مدت محض اسی لئے مقرر کی گئی کہ جماعت اسلامی مودودی صاحب کی رہائی کا مطالبہ کر رہی تھی اور ان کی سزا تین سال کی تھی۔ اگر ان کی سزا چودہ سال کی ہوتی تو پھر چودہ سال کی سزا والے قیدی رہا کئے جاتے۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی کئی بار لکھ چکے ہیں کہ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ کس کو کس وقت حوالۂ قید و بند کیا جاتا ہے اور اسے کب رہا کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ سزا صرف اسی کو ملنی چاہیئے جس نے جرم کیا ہے۔ جس نے جرم نہیں کیا۔ اسے چودہ سال یا تین سال بند رکھنا تو ایک طرف تین منٹ کے لئے بھی بند رکھنا حبس بیجا ہے جو میزان عدل میں ظلم و استبداد ہے۔ ہم حکومت سے پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ جن قیدیوں کی سزا کو اب منسوخ کیا گیا ہے کیا انھیں یہ سزا عدل و انصاف کے مطابق (ان کے کسی جرم کی پاداش میں) ملی تھی یا انھیں یونہی دھاندلی سے قید کر دیا گیا تھا۔ اگر انھیں قانون کی رو سے (جرم ثابت ہو جانے کے بعد) سزا ملی تھی تو بغیر کسی معقول وجہ کے اس سزا کے ماتبقیٰ حصہ کی منسوخی کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر یہ سزا بغیر کسی جرم کے دی گئی تو انھیں اتنا عرصہ جیل میں کیوں رکھا گیا؟ اور دوسری بات جو ہم حکومت سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہے کہ باقیماندہ کم و بیش

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

تاریخی شواہد

(۱۸)

اوچھے ہتھیار جب مجادلہ ومباحثہ سے کام نہ چلا تو قوم ان حربوں کیطرف مقابلہ میں آگئی جو ارباب قوت واستبداد کا آخری جواب ہوتا ہے۔ لیکن جو پیغاماتِ الٰہیہ کا مبلّغ اور حقیقت کا مبصر ہو۔ وہ بھلا اس تخویف وترہیب سے کس طرح گھبرائے؟ حضرت ہودؑ نے فرمایا۔

فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ...... إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (۱۱/۵۵-۵۷)

تم سب میرے خلاف مل کر جو تدبیریں کرسکتے ہو، ضرور کرو، اور مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھ لو، نتیجہ کیا نکلتا ہے؟) میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ جو میرا بھی پروردگار ہے۔ اور تمہارا بھی۔ کوئی حرکت کرنے والی ہستی نہیں جو اس کے قبضے سے باہر ہو۔ میرا پروردگار (حق وعدل کی) سیدھی راہ پر ہے (یعنی اس کی راہ ظلم کی راہ نہیں ہوسکتی) پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا تھا۔ وہ میں نے پہنچادی (اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے) اور (مجھے تو نظر آرہا ہے کہ) میرا پروردگار کسی دوسرے گروہ کو تمہاری جگہ دے دیگا۔ اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے۔ یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال ہے۔

ظہورِ نتائج کا وقت حجت کا اتمام ہوگیا۔ قانونِ مکافات کے مطابق وہ وقت آپہنچا جب اعمال کی کھیتی پک جاتی اور اس کے نتائج نمودار ہوجاتے ہیں۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ (۴۶/۲۴-۲۵)

پھر جب انھوں نے آنے والی تباہی کو ایک بادل کی شکل میں اپنی وادیوں کا رخ کرتے ہوئے دیکھا۔ (تو خوش ہوکر) کہنے لگے کہ یہ تو ہم پر برسنے والا بادل ہے (تو ان کے اعمال کے نتائج نے جواب میں کہا "نہیں۔ یہ برسنے والا بادل نہیں!) بلکہ وہی عذاب الٰہی ہے۔ جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے۔ یہ تو آندھی ہے جس میں ایک بہت دردناک عذاب ہے۔ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر ڈالے گی" چنانچہ (وہی ہوا کہ) وہ ایسے (برباد ہوکر) رہ گئے کہ ان کے مکانات (کے کھنڈروں) کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا (دیکھو) مجرم قوموں کو ہم ان کے اعمال کا بدلا اس طرح دیا کرتے ہیں۔

سورۂ حٰم میں ہے:۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ۝ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ ۝ (۴۱/۱۵-۱۶)

چنانچہ دیکھو، قوم عاد نے ملک میں بلاوجہ سرکشی اختیار کی اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت والا اور کون ہوسکتا ہے؟ کیا انھوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ خدا جس نے انھیں پیدا کیا ہے۔ وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والا ہے (یہ لوگ غرور د سرکشی میں اتنا حد سے بڑھ گئے تھے کہ) وہ عناداً ہمارے قوانین کا انکار کیا کرتے تھے۔ چنانچہ پھر (ایسا ہوا کہ) ہم نے ان پر ایک سخت آندھی ایسے دنوں میں بھیجدی جو (ان کے حق میں) بڑے مصیبتوں کے دن تھے۔ تاکہ ہم انھیں دنیوی زندگی میں رسوائی اور ذلت کا عذاب چکھائیں اور (یہ تو کچھ بھی نہیں) آخرت کا عذاب تو بہت ہی رسواکن ہوگا اور وہ وہاں (کسی قسم کی) امداد نہیں کئے جائیں گے۔

بربادی وہی بادِ تند وتیز (آندھی اور جھکڑ) جس سے ریت کے تودے بستیوں اور آبادیوں کو قبرستانوں میں منتقل کردیتے ہیں۔ اسی کو دوسری جگہ الرِّيحَ الْعَقِيمَ کہا گیا ہے۔

وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ۝ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ۝ (۵۱/۴۱-۴۲)

اور دیکھو، قوم عاد پر ہم نے تباہ کن ہوا (آندھی) بھیجی جو جس چیز پر بھی گذرتی تھی اسے گلی ہوئی (ریزہ ریزہ شدہ) ہڈی کی طرح کئے بغیر نہیں چھوڑتی تھی۔

آندھی کا وہ طوفان جو مسلسل آٹھ دن اور سات راتوں تک جاری رہا۔

وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝ (۶۹/۶-۸)

اور دیکھو قوم عاد، ایک حد سے بڑھی ہوئی تیز وتند آندھی سے ہلاک کردی گئی جو ان پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک برابر مسلط رہی (وہ آندھی کوئی معمولی آندھی نہ تھی) وہ جڑیں کاٹ ڈالنے والی آندھی تھی (اگر تم وہاں موجود ہوتے تو) تم انھیں اس طرح پچھڑا ہوا دیکھتے جیسے گرے ہوئے کھجور کے کھوکھلے تنے۔ تو کیا تم (آج) ان کا کوئی باقی رہنے والا نشان بھی دیکھتے ہو؟

اور اس طرح وہ قوم جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر نشانات نصب کرتی۔ بڑے بڑے ستونوں پر عمارات قائم کرتی، اور اپنے سے بڑھ کر کسی کو طاقتور نہ سمجھتی تھی۔ ایک آندھی (CYCLONE) کا مقابلہ نہ کرسکی اور ہلاک ہوگئی۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ (۲۶/۱۳۹-۱۴۰)

تو دیکھو، قوم عاد نے ہودؑ کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کردیا۔ بلاشبہ اس واقعہ میں (نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے) ایک (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور (اس کی وجہ یہی تھی کہ) ان کی اکثریت صاحب ایمان نہیں تھی۔ اور یقیناً تیرا پروردگار (تمام امور پر) غالب ہے۔ اور سرکشوں کو تباہ کردیتا ہے تاکہ نوعِ انسان کی روش باقاعدہ ہوجائے۔

ایسی ہلاکت کہ اللہ نے ان کی جڑ تک کاٹ دی۔

وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (۷/۷۲)

اور جنھوں نے ہمارے قانون کو جھٹلایا تھا، ہم نے ان کی بیخ وبنیاد تک اکھاڑ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وہ حال اور مستقبل دونوں میں زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوگئے۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝ (۱۱/۵۹-۶۰)

یہ ہے سرگزشت عاد کی۔ انھوں نے اپنے پروردگار کے قوانین (ہٹ دھرمی اور سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائے اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ اور ہر متکبر وسرکش کے حکم کی پیروی کی اور ایسا ہوا کہ دنیا میں بھی زندگی کی خوشگواریوں سے محروم ہوگئے، اور قیامت کے دن بھی۔ تو سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کے قوانین سے انکار کیا! اور سن رکھو کہ عاد کے لئے محرومی کا اعلان ہوا جو ہودؑ کی قوم تھی!

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات کے ضمن میں علمائے عمرانیات اور جاحظ، ابن خلدون اور اولیری کی آراء کا خلاصہ پیش کر کے ڈاکٹر احمد امین صاحب کا ان آراء پر تبصرہ اور ان کی اپنی رائے پیش کی گئی تھی۔ اس کے بعد زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ پر بھی بحث کی گئی تھی۔ آج کی فرصت میں اسی موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کی جا رہی ہے۔

ایسی ہی ایک اور کہانی سن لیجئے۔ وہ کہتے ہیں کہ خورنق (عرب کا ایک مشہور و معروف محل) کو نعمان ابن امرئ القیس نے بنوایا تھا۔ اسکی تعمیر نعمان کیلئے ایک رومی شخص نے کی تھی۔ جس کا نام سنمار تھا۔ جب وہ تعمیر کو مکمل کر چکا تو کہیں اس کے منہ سے نکل گیا کہ مجھے اس ایک اینٹ کی جگہ معلوم ہے جو اگر اپنی جگہ سے ہٹ گئی تو پورا محل دھڑام سے گر پڑے گا۔ نعمان نے سنمار سے پوچھا کہ اس اینٹ کی جگہ تمہارے سوا بھی کسی کو معلوم ہے؟ سنمار نے بتایا کہ نہیں کسی اور کو معلوم نہیں ہے۔ نعمان نے کہا کہ اب تو ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اسے اس حالت میں چھوڑیں کہ کسی کو بھی اس اینٹ کا پتہ معلوم نہ رہے۔ چنانچہ نعمان نے حکم دیا۔ اور سنمار کو محل کے اوپر سے نیچے پھینک دیا گیا۔ جس سے اس کا بدن ریزہ ریزہ ہو گیا۔ چنانچہ یہ واقعہ ضرب المثل بن گیا۔ ان لوگوں نے اس خرافات پر یقین بھی کر لیا۔ حالانکہ یہ بات کس قدر محال ہے کہ پورا کا پورا محل ایک اینٹ پر مرکوز ہو جائے۔ اگر ہم اس قسم کی باتوں کو گننا شروع کر دیں، جو عربوں کی نگاہوں میں حادثات و واقعات سے تعلق رکھتی تھیں اور جن سے ادب اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں تو بات بڑی ہی لمبی ہو جائے گی۔ خصوصاً ان حوادث سے متعلق تفصیلات جن کا تعلق ان قبائل سے تھا۔ جو ختم ہو چکے تھے۔ مثلاً عاد، طسم اور جدیس وغیرہ یا وہ حوادث جو زمانۂ ہجرت سے دور دراز تاریخوں میں واقع ہوئے تھے۔ جیسے جذیمہ اور زبا کے حادثات۔ ان تمام واقعات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ان لوگوں میں حادثات کی تعلیل کا سلیقہ ہی نہیں تھا۔ اور وہ مسبّبات اور اسباب کے مابین کوئی محکم رابطہ پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تنہا عربوں ہی کا حال نہیں تھا۔ بلکہ اس خصوصیت میں وہ تمام دوسری قومیں بھی ان کی شریک ہیں جو اس جیسے دور میں سے گذری ہیں۔ جس میں سے عرب گذر رہے تھے جیسے خود یونان وغیرہ۔ اس قسم کی باتیں آج ایک مستقل فن کا موضوع بن چکی ہیں جسے "علم متھولوجیا" کہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ گذشتہ اور آئندہ حادثات کا پتہ لگانے کے لئے کہانت، عرافت، پرندے اڑانے اور فال لینے کی طرف کیوں متوجہ ہوتے تھے۔ حالانکہ یہ سب کے سب ایسے امور ہیں جو علت و معلول اور سبب و مسبّب کا پتہ لگانے میں کوئی منطقی حیثیت نہیں رکھتے۔

یہ صحیح ہے کہ ہر قوم میں ۔۔۔ وہ کتنی ہی ترقی یافتہ اور فلسفی کیوں نہ بن چکی ہو ۔۔۔ ایسی خرافات پر عقیدہ رکھنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ادب عربی کی کتابوں کے مطالعے سے ایسا نظر آتا ہے کہ یہ عقائد عموماً ساری قوم ہی کے عقائد تھے نہ کہ شاذ و نادر چند افراد کے۔ کہانت جیسی چیزیں تو ہر قبیلہ کا ایک ثابت شدہ نظام ہی بن چکی تھیں۔

کبھی کبھی کسی جاہلی شعر، کسی ضرب المثل یا کسی قصہ اور کہانی میں ہمیں ایک ترقی یافتہ فکر نظر آ جاتی ہے۔ جہاں اسباب اور مسبّبات میں ایک طرح کا ربط نظر آتا ہے۔ لیکن ان میں بھی بمشکل ہی فکر کی گہرائی نظر آتی ہے جسے تشریح و تعلیل کے ساتھ ثابت کرنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ ثقیف کے ایک قبیلے نے دمدار ستاروں کے پے در پے ٹوٹنے سے گھبراہٹ سی محسوس کی۔ یہ لوگ ایک آدمی کے پاس گئے، جس کا نام عمرو بن امیہ تھا۔ وہ قبیلہ علاج کا ایک آدمی تھا۔ یہ شخص عربوں میں بڑا ہی چالاک اور نہایت عقلمند مشہور تھا۔۔۔ ان لوگوں نے اس سے پوچھا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ یہ آسمان پر کیا ہو رہا ہے! ستارے پھینکے جا رہے ہیں"۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں دیکھ رہا ہوں۔ مگر ذرا پتہ لگاؤ جو ستارے ٹوٹ رہے ہیں۔ یہ وہ ستارے تو نہیں جن سے خشکی اور سمندر میں راستہ معلوم کیا جاتا ہے اور جن سے سردی گرمی نہیں بارش وغیرہ کی پیشگوئی کی جاتی ہے۔ یا جن سے دوسری انسانی مصلحتوں کا کام لیا جاتا ہے۔ اگر یہ وہی ستارے ہیں تو خدا کی قسم یہ دنیا کے سمٹ جانے اور اس مخلوق کے تباہ ہو جانے کا وقت آ چکا ہے۔ اور اگر وہ تمام ستارے اپنی جگہ اور اپنے حال پر موجود ہیں۔ تو پھر یہ کوئی دوسری بات ہے جو خدا اس مخلوق میں کرنا چاہتا ہے۔ لیکن یہ ہم نہیں جان سکتے کہ وہ کیا ہے؟

ذرا غور کیجئے عمرو بن امیہ کی نظر میں کس قدر باریکی اور دقت نظر آتی ہے کہ اس نے ان ستاروں میں جن کے بقاء پر اس دنیا کا نظام قائم ہے۔ اور ان دوسرے ستاروں میں جن کی اہمیت یہ نہیں ہے۔ یعنی شہاب ثاقب ۔۔۔ کس قدر باریک فرق کیا ہے۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو نجوم اور شہاب میں فلسفی تشریح کہی جا سکتی ہو۔ یا کوئی واضح اور ظاہر تعلیل کہی جا سکتی ہو یا جو سبب اور مسبّب کے درمیان کوئی ارتباط کہلا سکتی ہو۔

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ عقل عربی طبعاً مختلف اشیاء کی طرف اس نگاہ سے نہیں دیکھتی جسے عمومیت اور احاطے کے ساتھ دیکھنا کہا جا سکتا ہو۔ یہ چیز اسکی استطاعت میں تھی ہی نہیں یہ چیز بعض قدیم مسلمان مؤرخین نے بھی محسوس کی تھی۔ چنانچہ "الملل والنحل" میں شہرستانی نے حکماء پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے

"دوسری قسم حکمائے عرب کی تھی جو بہت تھوڑی سی جماعت تھی۔ ان کی حکمت زیادہ تر طبیعت و فکر کے وہ شاہکار ہوتے تھے۔ جو یکبارگی ان کے ذہنوں اور دماغوں میں کوند جاتے تھے"۔

شہرستانی دوسرے مقام پر کہتے ہیں کہ "عرب اور ہندوستانی قریب قریب ایک ہی طریقہ پر ہیں۔ دونوں قوموں کے درمیان قربت و یگانگت اس معنی میں تھی کہ دونوں قومیں خواص اشیاء کا لحاظ رکھتی تھیں اور حقائق اشیاء کا فیصلہ کرتی تھیں۔ مگر دونوں پر فطرت اور طبیعت کا غلبہ تھا۔ ان کے برعکس رومی اور ایرانی ایک ہی طریقہ پر قریب قریب چلتے تھے۔ ان کے ہاں قربت اور یگانگت اس معنی میں تھی کہ وہ کیفیت اشیاء کا لحاظ کرتی تھیں۔ اور طبیعتوں کے احکام کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان دونوں قوموں پر اکتساب اور علمی و تحقیقی کوشش کا غلبہ تھا۔

ایک عربی آدمی۔ دنیا کی طرف اجتماعی نظر سے غور نہیں کرتا جیسا کہ مثلاً ایک یونانی کرتا ہے۔ ایک یونانی ۔۔۔ جونہی فلسفی بنتا ہے ۔۔۔ دنیا پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالتا ہے۔ وہ اپنے دل سے پوچھتا ہے یہ دنیا کس طرح وجود میں آ گئی؟ میں دیکھتا ہوں کہ اس دنیا میں ہر قسم کے تغیرات اور انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ کیا ان تغیرات کی پشت پر کوئی ایسی بنیاد موجود نہیں ہے جو اپنی جگہ پر ثابت ہو؟ اگر ایسی کوئی بنیاد موجود ہے تو وہ کیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ ساری دنیا ایک شے واحد کی طرح ہے۔ جس میں ہر ایک چیز دوسری چیزوں سے وابستہ ہے۔ اور وہ چند محکم اور ثابت قوانین کے تابع چل رہی ہے۔ تو آخر وہ نظام کونسا ہے اور وہ کیونکر پیدا ہوا اور کس چیز سے پیدا ہوا تھا؟

ایک یونانی اس قسم کے سوالات اپنے دل سے کرتا ہے اور یہ سوالات ہی اس کے فلسفہ کی بنیاد بنتے ہیں۔ جو اس کی ہمہ گیری پر مبنی ہوتی ہے۔ ایک عربی شخص کی طبیعت ان سوالات کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اسلام کے بعد بھی اس نے کبھی ان امور کی طرف توجہ نہیں کی۔ وہ اپنے ماحول کے گرد گھومتا ہے۔ جب اسے کوئی خاص منظر نظر آتا ہے۔ جو اسے پسند بھی آ جائے۔ تو وہ بے اختیار جھوم اٹھتا ہے۔ اور اس کے سینہ میں کوئی شعر یا مجموعہ اشعار، یا کوئی حکمت کی بات یا کوئی ضرب المثل انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ مثلاً وہ پکار اٹھتا ہے ؎

"آفتاب کی تبدیلیوں نے اس کے روزانہ وہاں سے طلوع ہونے نے جہاں سے وہ شام کو غروب ہوتا ہے۔ وہ اس کے صاف اور سفید ہو کر نکلنے نے اور زعفران کی طرح زرد ہو کر غروب ہونے نے زندگی کو روگ کھلا ہے۔ وہ آسمان کے جگر پر ایسے چل رہا ہے جیسے موت کا پرندہ نفس انسانی میں گردش کرتا رہتا ہو۔ میں جانتا ہوں کہ آج وہ کیا لے کر آئے گا۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ کل کن قضیوں کا فیصلہ کر کے وہ گذر چکا ہے۔

اقبال پر اپنی قسم کی پہلی کتاب
اقبال اور قرآن
قیمت
دو روپے

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

(تمہید)

اپنی فکر کے سرچشمہ، اپنے پیغام کے ماحصل، اور اپنے مخاطب طبقہ کے احوال و ظروف کے متعلق اس بھرپور تفصیلی گفتگو کے بعد اقبال (مثنویوں کے عام انداز کے مطابق) "ساقی" سے خطاب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

ساقیا برخیز و مے در جام کن — محو از دل کاوشِ ایام کن!

اقبال کا "ساقی" خود خدا ہے۔ خدا کا رسول ہے۔ اس کا پیغام جاں نواز ہے۔ وہ اس سے وہ شراب مانگتا ہے۔ جو خمکدۂ ازل سے سربمہر آبگینوں میں آئی تھی اور جو ساری دنیا کے افکار و آلام کو دور کرنے کے لئے آبِ حیات ہے۔ وہ شراب جس کے متعلق کہا ہے کہ

شعلۂ آبے کہ اصلش زمزم است — گر گدا باشد پرستارش، جم است

وہ آتشِ سیال، وہ پانی کا لپکتا ہوا شعلہ، جس کی اصل "زمزم" ہے۔ جو کعبہ کی بھٹی میں کھنچتی ہے اور جس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا پرستار اگر فقیر بے نوا ہے تو وہ اسے شاہنشاہ بنا دیتی ہے دنیا کی شراب بادشاہوں کو گدا بنا دیتی ہے۔ لیکن یہ قرآنی شراب گداگروں کو شاہنشاہ بنا دیتی ہے

اور

می کند اندیشہ را ہشیار تر — دیدۂ بیدار را بیدار تر

عام شراب عقل پر پردے ڈال دیتی ہے۔ لیکن اس شراب کی کیفیت یہ ہے کہ یہ فکرِ انسانی کو تیز تر کر دیتی ہے۔ اور چشمِ بیدار کو وہ بصیرت عطا کرتی ہے جس سے وہ مستور حقائق کو بے نقاب دیکھ لیتی ہے۔ مذہب کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن کا خطاب ہی عقلِ انسانی سے ہے۔ وہ قدم قدم پر انسانی فکر و بصیرت کو دعوت دیتا ہے۔ اور جو تفکر و تدبر سے کام نہیں لیتا، اسے سیدھا جہنم رسید کر دیتا ہے۔ قرآن کی "شرابِ آسمانی" کی بھی خصوصیت ہے جس سے چشمِ مومن بیدار سے بیدار تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

پھر عام شراب کی کیفیت یہ ہے کہ اس سے انسان کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور اعصاب پر افسردگی و پژمردگی چھا جاتی ہے۔ لیکن قرآنی شراب کی کیفیت یہ ہے کہ

اعتبارِ کوہ بخشد کاہ را — قوتِ شیراں دہد روباہ را

یہ ایک کمزور سے تنکے میں پہاڑ کی سی خود اعتمادی پیدا کر دیتی ہے۔ اور بے حوصلہ لومڑی کو شیروں کی عملی قوت عطا کر دیتی ہے۔ دنیا کا ہر مذہب عاجزی، ناتوانی، بیکسی، بےچارگی، انکساری، مفلوک الحالی سکھاتا ہے۔ لیکن قرآن کا دین، انسان کو اشداء علی الکفار بنا دیتا ہے۔ وہ پوری قوت و سطوت سے باطل کا مقابلہ کرنا سکھاتا ہے۔ اور جماعت مومنین کو بنیان مرصوص (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) بنا دیتا ہے۔

خاک را اوجِ ثریا می دہد — قطرہ را پہنائے دریا می دہد

یہ شرابِ توحید، خاک کی پستیوں میں گرے ہوئے انسانوں کو آسمان کی بلندیاں عطا کر دیتی ہے یہ ایک قطرۂ ناچیز کو دریا کی وسعتیں بخش دیتی ہے۔

اس دوسرے مصرعہ میں اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کے بنیادی تصور کو نہایت حسن و ایجاز سے بیان کر دیا ہے۔ تصوف کی رُو سے (جو درحقیقت نو افلاطونی فلسفہ کے ہندی ایڈیشن ویدانت کا چربہ ہے)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

انسانی ذات کا معراجِ کمال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذاتِ کل (خدا) کے اندر کلیتاً جذب اور فنا کر دے۔ لیکن اقبال کا تصورِ خودی یہ ہے کہ انسانی ذات کا قطرۂ ناچیز اپنے اندر دریا کی وسعتیں پیدا کر کے بےکنار ہو جائے، انسانی ذات صفاتِ خداوندی کو اس طرح اپنے اندر جذب کرتی چلی جائے کہ اس میں (علیٰ حدِ بشریت) خدائی اور کبریائی کی خصوصیات جھلکنے لگ جائیں۔ اور وہ اس طرح حدود فراموش ہو کر تغیر و فنا کی زد سے آگے چلی جائے۔ اس کو استحکامِ خودی یا حیاتِ جاوداں کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق اقبال نے کہا ہے کہ

قطرہ را پہنائے دریا می دہد

اور صرف دریا کی پہنائیاں (وسعتیں) ہی نہیں بلکہ شور انگیزیاں اور تلاطم خیزیاں بھی۔

خامشی را شورشِ محشر کند — پائے کبک از خونِ باز احمر کند

وہ شراب، اپنی بےپناہ قوتوں سے خاموشی کو شورِ محشر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اور ایک کمزور و ناتواں چکور کے پنجوں میں وہ قوت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ باز کا شکار کر لیتا ہے۔ یہ ہے وہ شرابِ زمزمی جس کے لئے وہ ساقی سے استدعا کرتا ہے کہ

خیز و در جامم شرابِ ناب ریز — بر شبِ اندیشہ ام مہتاب ریز

اٹھ اور میرے پیالہ میں اسی شرابِ ناب کو انڈیل دے۔ اور اس طرح میری فکر کی شبِ تاریک کو رشکِ صد مہتاب بنا دے۔ تو نور السمٰوٰت والارض ہے۔ تو سراجاً منیراً ہے۔ تو میرے دل و دماغ کی تاریکیوں کو تابناک و درخشندہ بنا دے۔

تا سوئے منزل کشم آوارہ را — ذوقِ بیتابی دہم نظارہ را

تاکہ میں اس روشنی سے راہ گم کردہ انسانیت، بھٹکی ہوئی ملت کو پھر سے منزل کی طرف لے آؤں اور خود نظارہ کو ذوقِ بیتابی عطا کر دوں۔ اسے ایسا بنا دوں کہ وہ مستور پردوں سے بےتابانہ باہر آ کر مصروفِ تماشا ہو جائے۔ اور دنیا ایک بار پھر اس حقیقت منتظر کو لباسِ مجاز میں جلوہ بار دیکھ لے

اقبال نے اپنی "شاعری" کا مقصودِ منتہیٰ ہی یہ بتایا ہے کہ

نغمہ کجا و من کجا، سازِ سخن بہانہ ایست — سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

فتنشرو آوارہ کاروانِ ملت کو پھر سے سوئے منزل لے چلنا۔ یہ تھا اقبال کا مقصود۔

بزمِ طلوعِ اسلام

ادارہ نے "جہان نو" کے عنوان سے ایک ۱۶ صفحات کا پمفلٹ چھپوایا ہے۔ جس میں مطبوعاتِ طلوعِ اسلام کا اجمالی تعارف ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اسے عام تقسیم کیا جائے۔ اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو طلوعِ اسلام کے شائع کردہ قرآنی لٹریچر سے روشناس کر دیا جائے۔ بزمہائے طلوعِ اسلام کو چاہیئے کہ وہ مناسب مقدار میں یہ پمفلٹ ہم سے مفت طلب کریں۔ اور اپنے حلقہ میں ہر اس شخص تک پہنچا دیں، جو اس فکر کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جہاں بزمیں قائم نہیں ہوئیں۔ وہاں دیگر قارئین حسبِ ضرورت پمفلٹ منگوا سکتے ہیں۔ پمفلٹ کی قیمت کچھ نہیں اور یہ مفت تقسیم کے لئے ہے۔

ملتان اختر علی صاحب (معرفت ایم شاہ محمد اینڈ سنز، بیرون پاک دروازہ، ملتان) اطلاع دیتے ہیں کہ ملتان میں بزمِ طلوعِ اسلام قائم کر لی گئی ہے، رکن سازی کا کام جاری ہے۔ آئندہ اجلاس ۱۱ر جون کو ہوگا۔ جو مقامی قارئین ابھی تک بزم کے رکن نہیں بنے۔ وہ جلد از جلد اختر علی صاحب سے رابطہ پیدا کریں۔

ایبٹ آباد اطلاع ملی ہے کہ ڈاکٹر سمیع اللہ خاں صاحب کے مکان پر ۵ر جون کو مقامی قارئین کا اجتماع ہو رہا ہے۔ تاکہ بزم کی تشکیل پر غور و خوض کیا جا سکے قارئین ڈاکٹر سمیع اللہ خاں صاحب سے رابطہ پیدا کریں۔

پشاور مرزا نصیر الدین صاحب ۲۷۴۲ گندان سٹریٹ (نزد جوگن شاہ) اندرون ڈبگری گیٹ، پشاور شہر اطلاع دیتے ہیں کہ وہ تشکیل بزم کے لئے کوشاں ہیں لہٰذا مقامی قارئین سے گذارش ہے کہ وہ ان سے رابطہ پیدا کریں۔ مرزا صاحب طلوعِ اسلام کا شائع کردہ لٹریچر بھی شائقین کو عاریتاً دیتے ہیں۔

عَورت کا قُرآن

(۱۶)

"قرآن مجید" خدا کی طرف سے آئے ہوئے آخری "دین" کی آخری کتاب ہے۔ جو انسانوں کو دی گئی ہے۔ اب غور کیجئے کہ چھٹی صدی عیسوی سے لے کر جب کہ قرآن مجید نازل ہوا۔ قیامت تک کس قدر مختلف زمانے آئیں گے۔ اور ان زمانوں میں کس قدر مختلف طبقات کے لوگ ہوں گے قرآن تمام نوعِ انسانی کے لئے۔ تمام زمانوں کے لئے، خدا کی حکومت کا جامع ضابطۂ قوانین ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف زمانوں میں انسانوں کی تمدنی زندگی کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر زمانے میں انسانوں کی بود و ماند اور اسلوب معاش و معاشرت بدلتے رہتے ہیں۔ آج وسائل آمد و رفت کی وسعتوں سے ساری دنیا کی طنابیں کھنچ گئی ہیں۔ جس سے انسانوں کے بین الاقوامی روابط و معاملات اس انداز کے ہو گئے ہیں کہ ہزار برس پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا آج دنیا کی کوئی قوم الگ تھلگ اور دوسری قوموں سے بے نیاز و مستغنی نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ زمانہ حاضر کے "تمدنی تقاضے" زمانہ سابق کے تقاضوں سے مختلف ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کے جو "بنیادی تقاضے" ہیں۔ وہ ماحول سے متاثر نہیں ہوتے لہٰذا ان میں مرورِ زمانہ سے تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ پہلے انسان بیل گاڑیوں پر سفر کرتا تھا۔ یا دریاؤں میں کشتیوں پر چلتا تھا۔ اب "تمدنی تقاضے" بدل گئے ہیں، اب ریل، ہوائی جہاز ہیں۔ اس وقت آپ سفر بیل گاڑیوں سے طے نہیں کر سکتے۔ دریاؤں میں تجارتی جہاز چلتے ہیں۔ آپ کشتیوں سے کام نہیں چلا سکتے۔ یہ تمدنی تقاضے ہیں جو زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے۔ مگر جو "بنیادی تقاضے" ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں۔ جس طرح پہلے انسان کی پیاس پانی سے بجھتی تھی۔ اسی طرح آج بھی پیاس کی تسکین پانی ہی سے ہوتی ہے۔ اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔ خوشبو جس طرح پہلے انسانی دماغ کے لئے فرحت بخش تھی۔ آج بھی ہے۔ اور برابر رہے گی جس طرح صداقت و شرافت ہزار برس پہلے انسان کے لئے باعثِ فخر تھی۔ اسی طرح آج بھی وجہ تکریم و تفضیل ہے۔ اور ہمیشہ رہے گی۔ ان چیزوں پر زمانہ کی تبدیلی کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہیں پڑے گا لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ:-

۱۔ انسانی زندگی کے "بنیادی تقاضے" ایسے ہیں جو ماحول اور زمانہ سے متاثر نہیں ہوتے اور مرورِ وقت سے ان میں کوئی تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور کبھی نہیں پڑے گی

۲۔ لیکن انسان کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کے تقاضے ایسے ہیں۔ جو زمانہ اور اس کی ضروریات و ترقیات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں اور ہمیشہ بدلتے رہیں گے۔

جب ایسا ہے تو لامحالہ جس ضابطہ قوانین یا زندگی کے جس دستور العمل کو تمام انسانوں کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے نظامِ زندگی بننا ہو۔ اس کے لئے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ان دونوں تقاضوں کی تسکین کا سامان اپنے اندر رکھے؟ اور اگر ایسا نہیں ہوگا۔ تو وہ صرف ایک خاص وقت ہی کے لئے بکار آمد ہو سکے گا۔ دوسرے زمانہ کے لئے نہیں۔ چونکہ قرآن مجید ایک ایسا نظامِ حیات پیش کرتا ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے۔ اور زمان، ملک، اور قومیت سے ماورا۔ اس لئے اس میں انسانی زندگی کے ان تمام بنیادی اصولوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی:-

۱۔ قرآن مجید میں بعض "اصول" تو ایسے ہیں۔ جن کی جزئیات و تفصیلات بھی متعین کر دی گئی ہیں۔ یہ وہ احکام و قوانین ہیں جن پر مرورِ زمانہ اور ماحول کا کبھی کچھ اثر نہ ہوگا۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناقابل تغیر و تبدل ہوں گے۔ ایسے احکام بہت ہی کم ہیں۔

۲۔ باقی "اصول" ایسے ہیں۔ جن کی صرف حدود متعین کر دی گئی ہیں۔ جزئیات و تفصیلات متعین نہیں کی گئی ہیں۔ ان کی جزئیات و تفصیلات ہر زمانہ کے انسان اپنی اپنی ضروریات اور اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق خود متعین کریں گے۔ البتہ یہ ضرور انہیں دیکھنا ہوگا۔ کہ اصولاً اس کی جو حد مقرر کی گئی ہے۔ اس سے باہر نہ ہو جائے۔ ایسے اصولوں کی تعداد زیادہ ہے۔

مثلاً نظامِ صلوٰۃ کے سلسلہ میں صلوٰۃ کے بعض وقتی اجتماعات کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے لیکن ان کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا کہ فلاں صلوٰۃ کی رکعتیں کتنی ہوں گی۔ ان رکعتوں میں کیا کچھ کرنا ہوگا۔ قرآن پڑھنا ہوگا تو قرآن کی کونسی سورت پڑھنی ہوگی کھڑے ہوں گے تو ہاتھ باندھے ہوں گے یا چھوڑے ہوں گے۔ ان چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حالات میں (جہاں تک روایات سے معلوم ہوتا ہے) مختلف طور پر متعین فرمایا تھا۔ کبھی آپ نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی اور کبھی ہاتھ چھوڑ کر۔ کبھی آپ نے رکوع میں جاتے ہوئے اور سجدہ میں جاتے ہوئے رفع یدین کیا۔ اور کبھی نہیں کیا۔ کبھی آمین زور سے کہی اور کبھی آہستہ کہی، ایک عرصہ تک ہر نماز کی دو دو رکعتیں ہوتی رہیں۔ اور پھر ان میں تبدیلیاں کر دی گئیں۔ وغیر ذلک۔ لہٰذا ان میں سے جو چیزیں قرآن نے متعین کر دی ہیں۔ ان میں کبھی بھی کوئی تبدیلی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن جن چیزوں کو قرآن نے متعین نہیں کیا۔ اور رسول اللہ صلعم نے ان کو متعین فرمایا۔ اور جن میں وہ تبدیلیاں بھی فرماتے رہے۔ ان میں آئندہ کے حالات اور تقاضوں کے مطابق آئندہ بھی تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں۔

زانی اور چور کی سزا بھی مقرر کر دی۔ اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ مگر شرابِ خمر کی سزا مقرر نہیں کی۔ یہ زمانے کے مطابق سزا ہوگی۔ محاصل حکومت و گورنمنٹ ریونو کے سلسلہ میں "زکوٰۃ" کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ یعنی یہ ہر زمانہ اور ہر حالت میں عوام کو ادا کرنا ہوگا۔ مگر اس کی شرح (ریٹ RATE) مقرر نہیں کی گئی۔ ظاہر ہے کہ یہ شرح مختلف زمانوں میں زمانہ اور حکومت کی ضروریات کے مطابق بدلتی رہے گی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا ذکر کر دینے میں کوئی دقت نہ تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی تفصیلات زمانہ، ضرورت اور ماحول کے مطابق قرآنی حکومت کی طرف سے طے ہونا مناسب ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل کو خود طے نہ کیا۔ مگر جو طے شدہ امر ہے جیسے "ترکہ" اس کا اللہ تعالیٰ نے تفصیلی ذکر کر دیا ہے اور جزئیات و تفصیلات بھی طے کر دی ہیں

مگر آج زمانہ "قرآن" کو ناکافی سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اسلام چند چیزوں کا مجموعہ ہے:-

۱۔ کچھ "قرآن" میں جو ایک مختصر سا سرمایہ ہے۔ جس کو خدا نے نازل کیا۔ جس کو رسول اللہ نے مرتب و مدون کر کے مسلمانوں کو دیا۔ اور جس کی حفاظت کا خود خدا ذمہ دار بنا ہے۔

۲۔ کچھ "احادیث" میں جس کو رسول اللہ کی وفات کے "ڈھائی" سو برس کے بعد سے پانچویں صدی تک رسولؐ اور صحابہ، خلفاء اور ائمہ کا قول بتا کر مکہ اور مدینہ کے باہر کے انسانوں نے جمع کیا۔ اور جو کئی اونٹوں پر لادا جانے والا مختلف فیہ اور باہم متضاد و متخالف سرمایہ ہے

۳۔ کچھ "فقہ" میں جنہیں رسول اللہ کی وفات کے بعد ہر ہر جماعت کے لوگوں نے خود مرتب و مدون کیا۔ اور جن میں سخت اختلاف ہے۔ اور جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

ذرا غور فرمایئے کہ "اسلام" کیا تھا اور کیا ہو گیا۔؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

یہ صندوقِ کتب مجھ سے تو یارب اٹھ نہیں سکتا
یہ "مذہب ہے" تو مجھ سے بایں مذہب اٹھ نہیں سکتا

(اکبر الہ آبادی)

"صندوقِ کتب" کا بار کچھ اتنا ہے کہ آدمی اٹھائے؛ وہ تو ہاتھیوں سے بھی نہ اٹھ سکے گا۔ پھر ظاہر ہے کہ یہ ہمارا خود ساختہ اسلام تو مسلمانوں کے لئے باعثِ فوز و فلاح ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ مسلمانوں کی حالت دیکھئے۔ سمجھئے کہ ان کا شیرازہ کس طرح بکھرا ہوا اور حالت کس قدر ابتر ہے قرآن نے نازل ہو کر تمام مختلف قبیلوں کو ایک رسی میں باندھ دیا تھا۔ احادیث نے مسلمانوں کو دو مختلف ٹولیوں میں بانٹ دیا۔ اور فقہ نے تو ان کے پرخچے ہی اڑا دیئے۔

اسلامی معاشرت
صفحات ۱۹۲
قیمت:- دو روپے

سنّت اور حدیث کی پوزیشن

ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کی وضاحت

قارئین طلوعِ اسلام کو یاد ہوگا کہ ہم نے ۱۶ر اپریل کی اشاعت میں "سنت رسول اللہ" کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ افتتاحیہ لکھکر جماعت اسلامی سے بالخصوص درخواست کی تھی کہ وہ بتائے کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے یا غلط۔ اور اگر غلط ہے تو کس مقام پر تاکہ ہم اپنی اصلاح کر سکیں۔ اس کے بعد ہم نے اپنی متعدد اشاعات (اور نجی خطوط) کے ذریعے ارباب جماعت اسلامی کی توجہ اس طرف منتقل کرائی لیکن ان کی طرف سے ایک لفظ بھی اس کے جواب میں موصول نہ ہوا۔ لیکن محترم مودودی صاحب نے جیل سے رہائی کے بعد اپنی متعدد تقاریر میں اس موضوع کو مرکز بحث بنایا ہے۔ ان میں سے ان کی پندرہ مئی کی تقریر (جو ۱۷ر مئی کے اخبار تسنیم میں شائع ہے) خاص طور پر ان تفاصیل کو لئے ہے ان کی یہی تقریر اس وقت ہمارے زیر تبصرہ ہے۔

حکومت کی سرپرستی جس طرح انگریزوں کے زمانہ میں کانگریسی حضرات نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جہاں کسی نے ان کے خلاف کچھ کہا انھوں نے جھٹ سے کہدیا کہ یہ "ٹوڈی ہے۔ سرکار کا پٹھو ہے"۔ اور اس غوغا میں اصل بات کو گم کر کے صاف نکل گئے۔ یہی انداز جماعت اسلامی کا ہے۔ یہ بھی فریق مقابل کی کسی بات کا جواب دلیل و برہان سے نہیں دیتے بلکہ اس کے خلاف ایک اتہام تراش کر شور مچا دیتے ہیں اور اس طرح عوام کے جذبات کو مشتعل کر کے خود صاف بچکر نکل جاتے ہیں۔ آپ دیکھئے کہ بات بالکل دینی اور علمی تھی کہ سنت رسول اللہ کی صحیح پوزیشن کیا ہے۔ لیکن مودودی صاحب بات اس طرح چھیڑتے ہیں کہ

> انکار حدیث کا فتنہ حکومت کی سرپرستی میں پھیلایا جا رہا ہے اور حکومت نے اس معاملہ میں ایک فریق کی حیثیت اختیار کر لی۔

چونکہ مودودی صاحب کی اپنے عقیدتمندوں کے حلقہ میں پیروں کی سی پرستش ہوتی ہے اس لئے انھیں اپنی کسی بات کے ثبوت میں نہ سند پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ دلیل دینے کی۔ انھوں نے جو جی میں آیا فرما دیا۔ عقیدتمندوں نے احسنت و مرحبا کہکر سر ہلا دیا۔ ورنہ وہیں پوچھا جا سکتا تھا کہ آپ کے پاس اس کی سند کیا ہے؟

بہر حال ہم نے ۲۰ر مئی کے طلوعِ اسلام میں مودودی صاحب کو چیلنج دیا ہے کہ جہاں تک طلوعِ اسلام کا تعلق ہے وہ اس الزام کو ثابت کریں۔

اسلام خطرے میں ہے نالائق ارباب حکومت کا قاعدہ ہوتا ہے کہ جونہی انھیں اس کا احساس پیدا ہو کہ لوگ ان سے خاص معاملہ میں باز پرس کریں گے۔ انھوں نے "اسلام خطرے میں ہے" کی گھنٹی بجا دی۔ قوم اس میں الجھ گئی اور وہ صاحب چپکے سے نکل گئے یہی انداز جماعت اسلامی کا ہے۔ ان سے ہم نے دلائل و براہین کی بنا پر بات کا جواب مانگا تھا انھوں نے عوام کے جذبات کو یہ کہکر بھڑکا دیا کہ

> اگر ایک دفعہ حضرت کے اسوۂ حسنہ کو سند ماننے سے انکار کر دیا گیا تو اس کے بعد دین کے کسی اہم معاملہ میں دو مسلمانوں کے لئے بھی متفق الرائے ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ اور وہ امت ایک ایسے انتشار کا شکار ہو جائے گی جس کے بعد نہ دین باقی رہے گا نہ شعائر دین میں سے کسی کی شکل محفوظ رہیگی۔ ہمارا رشتہ اپنے ماضی اور اپنی روایات سے بالکل کٹ جائیگا اور ہم ایک ایسی لاوارث قوم کی حیثیت سے دنیا میں کھڑے رہ جائیں گے جن کے پاس نہ اپنی کوئی تاریخ ہو نہ روایات۔ جو اپنے ماضی پر شرمسار اور نادم ہو اور اپنی تمام عظیم شخصیتوں کو احمق اور جاہل قرار دے۔

اس بحث کو سردست چھوڑیئے کہ مودودی صاحب خود مسلمانوں کی تاریخ اور عظیم شخصیتوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں (اگر آپ اس کی تفصیل چاہتے ہیں تو ادارہ طلوعِ اسلام کی طرف سے شائع کردہ کتاب "مزاج شناس رسول" ملاحظہ فرمایئے) سوال یہ ہے کہ جس تحریک کے جزو ہی کی بابت یہ کچھ کہا جا رہا ہو اس کی کسی تحریر کا کوئی حوالہ تو دیا ہوتا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ فی الواقعہ دین میں اس قسم کی صورت پیدا کرنے کے درپے ہیں؟ بلا سند و دلیل دوسروں کو اس قسم کا ہوا بنا کر پیش کرنا اصول ابلہ فریبی ہے۔

حدیث اور سنّت کا فرق اس تمہید کے بعد اب اصل موضوع پر آئیے۔ مودودی صاحب نے فرمایا کہ

> عام لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا ایک بڑا سبب حدیث اور سنّت کے فرق سے ناواقفیت ہے۔ سنت اس طریقے کو کہتے ہیں جسے حضور نے خود اختیار فرمایا اور امت میں اسے جاری کیا۔ سنت کے لفظ کا اطلاق اس امر واقعی پر ہوتا ہے جو حضور سے ثابت ہو۔ اس کے برعکس حدیث سے مراد وہ روایات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے کیا کیا اور کس چیز کو کرنے کا حکم دیا۔ مولانا نے کہا کہ اس لحاظ سے حضور کی پوری زندگی کا طور طریقہ سنت ہے۔ آپ نے زندگی کے مختلف شعبوں۔ اخلاق، تہذیب، تمدن، عبادات، معاملات کے متعلق جو کچھ تلقین کی اسے آپ کی سنت کہا جائیگا۔ حدیث کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔ علم حدیث کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ ایک ایک حدیث کو بھی حدیث کے لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ احادیث کے مجموعہ کو بھی حدیث کہتے ہیں۔

سمجھ میں آگیا آپ کو سنت اور حدیث کا فرق؟ "زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق حضور نے جو کچھ تلقین فرمایا اسے کہتے ہیں سنت۔ باقی رہی حدیث، تو "ایک ایک حدیث کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ احادیث کے مجموعہ کو بھی حدیث کہتے ہیں اور علم حدیث کو بھی حدیث کہا جاتا ہے"۔ ہو گئی نا بات واضح؟ اگر اب بھی بات واضح نہ ہوئی ہو تو آپ کی عقل کا قصور ہے۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ!

بہر حال بات صاف ہوئی ہو یا نہ مندرجہ بالا اقتباس سے اتنا تو ضرور واضح ہوتا ہے کہ مودودی صاحب کے نزدیک سنت کوئی "الگ چیز" ہے اور حدیث الگ۔ لیکن ذرا آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ

> حدیث، سنت کو معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اس کے بعد کہا کہ

> اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں سنت کو مانتا ہوں لیکن حدیث کو نہیں مانتا تو یا تو اس کا دماغ خراب ہے یا وہ دانستہ لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔

اب بات یوں ہوئی کہ حضور نے اپنی زندگی میں جو طریقہ اختیار فرمایا یا زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق جو کچھ تلقین فرمایا، اس کے معلوم کرنے کا ذریعہ حدیث ہے۔ یعنی سنت رسول اللہ کا ریکارڈ حدیثوں کے اندر ہے۔ لہٰذا جو شخص سنت کو مانتا ہے لیکن سنت کے اس ریکارڈ کو نہیں مانتا تو یا تو اس کا دماغ خراب ہے یا وہ لوگوں کو دھوکا دیتا ہے۔

اب یہ دیکھئے کہ سنت کے اس ریکارڈ کے متعلق مودودی صاحب کا کیا طرز عمل ہے فرماتے ہیں۔

حدیث کی حیثیت

> ظاہر ہے کہ احادیث کے تمام مجموعوں کا حکم یکساں نہیں ہو سکتا اور کوئی ہوشمند آدمی یہ مطالبہ نہیں کر سکتا کہ سارے ذخیرۂ احادیث میں جو کچھ درج ہے اسے بلا چوں وچرا سنت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ ان تمام احادیث کی مختلف حیثیتوں سے جانچ پڑتال کا باقاعدہ طریقہ موجود ہے۔ ایک ایک روایت کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے کہ کس ذریعے سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس کا مضمون کیا ہے۔ یہ قرآن کے خلاف تو نہیں۔ اسلام کے مجموعی نظام کے خلاف تو نہیں۔ ان تمام حیثیتوں سے احادیث کو پرکھنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔ اور ہم سے پہلے غیر معمولی جدوجہد اور کوشش سے سلف نے اس کام کو کیا ہے۔ انھوں نے ہر پہلو سے حدیث کی تحقیق کرنے کے لئے باقاعدہ علوم مدون کئے ہیں۔

یہاں تک دیکھئے کہ بات کیا ہوئی۔

(۱) سنت رسول اللہ دین کا جزو ہے۔ اس کی اطاعت کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

(۲) سنت کے معلوم کرنے کا ذریعہ احادیث ہیں۔

(۳) احادیث کی پوزیشن یہ ہے کہ اس مجموعہ کو بلا چون وچرا سنت کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں پرکھنا چاہئے اور اس پرکھنے کا حق ہمیں حاصل ہے۔

اسکے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

> کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ جس حدیث کو تحقیق سے اس نے حق جان لیا ہے وہ دوسروں کو بھی مجبور کرے کہ اس کی تحقیق کو قبول کریں۔ ہر شخص اپنی جگہ تحقیق کرنے کا حقدار ہے اور دوسروں سے اختلاف بھی کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنی رائے کے لئے دلائل دے۔

آپ نے غور فرمایا کہ بات کیا ہوئی؟

(ا) سنت حدیثوں کے اندر ہے۔ اور

(ب) حدیثوں کے متعلق ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جسے صحیح سمجھے اسے مان لے جسے غلط سمجھے چھوڑ دے۔ کوئی شخص اپنی تحقیق کو دوسروں سے منوا نہیں سکتا۔

لہٰذا سنت رسول اللہ ہر شخص کے نزدیک الگ الگ ہوگئی اور کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس بات کو ایک شخص سنت کہتا ہے وہ کہدے کہ یہ سنت نہیں۔ یا وہ دوسروں کو مجبور کرے کہ اسے سنت سمجھے۔

یہ ہے وہ سنت رسول اللہ جس کی اطاعت کو مودودی صاحب منجانب اللہ فرض قرار دیتے ہیں اور جس کی نسبت فرماتے ہیں کہ

> اگر ایکدفعہ اسے سند ماننے سے انکار کر دیا گیا تو اس کے بعد دین کے کسی اہم معاملہ میں دو مسلمانوں کے لئے بھی متفق الرائے ہونا ممکن نہیں ہوگا اور امت ایک ایسے انتشار کا شکار ہو جائے گی جس کے بعد نہ دین باقی رہیگا نہ شعائر دین میں سے کسی کی شکل محفوظ رہے گی۔

آپ سوچئے کہ کیا تشتت وانتشار کی یہ شکل سنت کے اس تصور کے ماتحت ہی پیدا نہیں ہوتی جسے مودودی صاحب نے پیش فرمایا ہے۔ یعنی ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنے لئے آپ سنت متعین کرے!

اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

ثابت شدہ طریقہ

> ایک چیز کے حضور کے قول اور عمل کی حیثیت سے ثابت ہو جانے کے بعد ایک مسلمان کے لئے اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ وہ اس کی اطاعت کرے ......۔ تاریخ اسلامی میں کوئی قابل ذکر آدمی نہیں جس نے سنت کے ماخذ قانون ہونے کی حیثیت سے انکار کیا ہو۔ حدیث پر تو اختلافات ہوئے ہیں لیکن حضور کے ثابت شدہ طریقہ کے واجب الاتباع ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہوا۔

ابھی ابھی مودودی صاحب نے فرمایا تھا کہ ہم سب کو احادیث کے پرکھنے کا حق حاصل ہے اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ جس حدیث کو اس نے صحیح سمجھا ہے دوسروں کو بھی مجبور کرے کہ وہ اسے صحیح سمجھیں۔ لیکن اب یہ ارشاد ہے کہ حضور کے ثابت شدہ طریقہ کے واجب الاتباع ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

(۶) اگر حضور کا کوئی ثابت شدہ طریقہ موجود ہے تو ثابت شدہ کو پرکھنے کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا؟ اور

(۷) اگر احادیث کو پرکھنے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے تو پھر حضور کا ثابت شدہ طریقہ کونسا ہوا؟

اصل سوال

سنت کے بارے میں یہی اصل سوال ہے۔ یعنی کیا حضور کا کوئی ثابت شدہ طریقہ ہمارے ہاں موجود ہے۔ اگر موجود ہے تو وہ کہاں ہے اور اسے ثابت شدہ کس طرح کہا جاتا ہے؟ اسے کس نے ثابت کیا ہے اور ایسا کرنے کی اس کے پاس کیا اتھارٹی تھی؟ اور اگر وہ ثابت شدہ ہے تو پھر مودودی صاحب کو اس ثابت شدہ طریقہ کو پرکھنے کا حق کیسے پہنچتا ہے؟

ہم محترم مودودی صاحب سے گذارش کریں گے کہ اگر ان کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب ہے تو وہ اسے واضح الفاظ میں بیان فرما دیں۔ ایسے اہم معاملہ میں قوم کو اس طرح الجھاؤ میں رکھنے سے کیا حاصل ہے؟ اس قسم کی ابلہ فریبی زیادہ دیر تک چل نہیں سکتی۔

لیکن آپ دیکھیں گے کہ مودودی صاحب اس کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس لئے کہ اس کا جواب ان کے پاس ہے ہی نہیں۔ ان کے ذہنی انتشار کا تو یہ عالم ہے کہ ابھی ابھی وہ کہہ چکے کہ حدیث، سنت کو معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

> اگر حدیث اور سنت کو قرآن کی تعبیر کے لئے سند تسلیم نہ کیا جائے تو ....

یعنی اب حدیث اور سنت دو الگ الگ چیزیں بیان ہو رہی ہیں!

طلوعِ اسلام کا مسلک

طلوعِ اسلام کا پیش کردہ مسلک یہ ہے کہ

(۱) نبی اکرم نے قرآن کو عملاً نافذ کرنے کے لئے ایک نظام متشکل فرمایا جس میں خود حضور کی حیثیت مرکزی تھی۔ اس نظام میں حضور کے فیصلوں کی اطاعت "خدا اور رسول" کی اطاعت تھی۔

(۲) حضور کے تشریف بری کے بعد یہی نظام حضور کے خلفاء نے برقرار رکھا۔ اب مرکز ملت کی حیثیت ان خلفاء کو حاصل تھی اور ان کے فیصلوں کی اطاعت "خدا اور رسول" کے فیصلوں کی اطاعت تھی۔ یہ حضرات رضؓ، رسول اللہ کے فیصلوں کے مطابق عمل کرتے تھے لیکن جہاں دیکھتے کہ ان کے زمانے کے حالات کا تقاضا کچھ اور ہے تو وہ حضور کے فیصلوں میں تبدیلی بھی کر دیتے تھے اب امت کے لئے ان تبدیل کردہ فیصلوں کی اطاعت، "خدا اور رسول" کی اطاعت تھی کیونکہ قرآن میں "اللہ اور رسول" سے مراد وہ صالح نظام ہے جو قوانین خداوندی کو نافذ کرنے کے لئے متشکل کیا جائے

(۳) حضور کے خلفاءؓ کے بعد یہ شکل باقی نہ رہی۔ اب اگر مسلمان پھر سے صحیح دین کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ پھر سے اپنے ہاں علیٰ منہاج نبوت اس قرآنی نظام کو قائم کرے۔ اس نظام میں مرکز ملت کے فیصلے تمام اختلافی امور میں حکم بن جائیگے اور یوں ملت کا موجودہ انتشار ختم ہو جائے گا۔

(۴) اس مرکز کا کام یہ بھی ہوگا وہ احادیث کے موجودہ ذخیروں کو پرکھ کر متعین کرے کہ سنت رسول اللہ کی صحیح شکل کیا تھی۔

یہ ہے وہ مسلک جسے مودودی صاحب "فتنۂ انکار حدیث" قرار دیتے ہیں

اس پر اعتراض

چنانچہ اس پر اعتراض کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ

> یہ لوگ کہتے ہیں کہ اپنے زمانے میں حضور مرکز ملت تھے اور ان کا حکم مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع تھا۔ آج مسلمانوں کے لئے اپنے زمانے کے مرکز ملت کی اتباع ضروری ہے۔ یہ ایک ایسی گمراہی ہے جس سے بڑی کسی گمراہی میں مسلمان ہوتے ہوئے ہم مبتلا نہیں ہو سکتے۔

مودودی صاحب نے اس ٹکڑے میں پہلے تو اس شدید غلط بیانی سے کام لیا ہے جو کہ ہم پر

> دیہ لوگ کہتے ہیں کہ) آج مسلمانوں کے لئے اپنے زمانے کے مرکز ملت کی اتباع ضروری ہے

یعنی اس سے وہ یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ ہم موجودہ حکومت کے فیصلوں کو رسول اللہ کے فیصلوں کی جگہ دیتے ہیں۔ یہ بہت بڑا اتہام ہے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں کہا۔ ہم نے ہمیشہ یہ کہا ہے کہ جب مسلمان پھر سے قرآنی نظام کو اسطرح قائم کریں گے جس طرح رسول اللہ نے قائم فرمایا تھا تو اسوقت ان کے لئے اس نظام کے مرکز کی اطاعت، "اللہ اور رسول" کی اطاعت کے مرادف ہو جائے گی۔ آپ غور کیجئے کہ اس میں اور جو کچھ مودودی صاحب نے کہا ہے کس قدر بنیادی فرق ہے۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ قرآن نے جہاں "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا ذکر کیا ہے اس سے مراد اس صالح نظام کی اطاعت ہے جو احکام خداوندی کی تنفیذ کے لئے رائج ہو۔ اگر ایسا سمجھنا اتنی بڑی گمراہی ہے جس سے بڑی گمراہی کوئی اور نہیں ہو سکتی، تو اس گمراہی کے مرتکب خود مودودی صاحب بھی ہیں۔ وہ اپنی تفسیر (تفہیم القرآن۔ جلد اول) میں اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کے تحت لکھتے ہیں

> خدا اور رسول سے لڑنے کا مطلب اس نظام صالح کے خلاف جنگ کرنا۔ جو اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔ (ص ۴۶۵)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس طرح "یحاربون اللہ ورسولہ" میں اللہ اور اس کے رسول سے مراد وہ نظام صالح ہے جسے اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہے اسی طرح "اطیعوا اللہ ورسولہ" سے مراد اس نظام صالح کی اطاعت ہے جسے اسلام کی حکومت نے ملک میں قائم کر رکھا ہو۔

آپ غور کیجئے کہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اور جو کچھ مودودی صاحب نے لکھا ہے اس میں کچھ بھی فرق ہے؟ لیکن ہم قابلِ دار و رسن ہیں اور مودودی صاحب سب سے بڑے صالح اور مومن۔

دُوسرا اعتراض

اس کے بعد مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ

(یہ لوگ کہتے ہیں کہ اختلاف کی صورت میں مرکزِ ملت سے پوچھئے) گویا آپ فیصلے کا حق سنت کو نہیں دیتے بلکہ مرکزِ ملت کے سپرد کرتے ہیں اور مسلمانوں سے آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تحقیق کا حق سلب کرتے ہیں۔ آپ مرکزِ ملت کے اس تصور سے اسلام میں بدترین قسم کی ڈکٹیٹرشپ قائم کر دیں گے۔

اس باب میں ہم محترم مودودی صاحب سے دو چار باتیں پوچھنا چاہتے ہیں۔

(اوّل) جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ جس قبیلہ نے زکوٰۃ کو مرکز میں بھیجنے سے انکار کر دیا ہے اس کے خلاف جہاد کیا جائیگا، اور تمام صحابہؓ اس فیصلہ کے خلاف تھے لیکن اس کے باوجود حضرت صدیق اکبرؓ نے وہی کیا جس کا آپ فیصلہ کر چکے تھے، تو یہ ڈکٹیٹرشپ تھی یا کچھ اور!

(دوم) جب حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا تھا کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں بائن تصور ہونگی اور صحابہؓ نے کہا کہ یہ فیصلہ نبی اکرمؐ کے فیصلہ کے خلاف ہے' تو عمل درآمد حضرت عمرؓ کے فیصلہ کے مطابق ہوا یا صحابہؓ کی تحقیق کی رو سے، اگر عملدرآمد حضرت عمرؓ کے فیصلے کے مطابق ہوا تھا تو کیا آپ نے صحابہؓ سے آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تحقیق کا حق سلب کر لیا تھا یا نہیں؟

(سوم) پاکستان کی مجلس آئین ساز نے جو مسودہ قوانین مرتب کیا تھا اور جسے آپ اور آپ کی جماعت 'اسلامی دستور' سے تعبیر کر رہی تھی۔ اس میں تصریح تھی کہ کتاب و سنت کے خلاف کوئی قانون پاس نہیں ہوگا۔ اور اس امر کا فیصلہ کہ فلاں قانون کتاب و سنت کے خلاف ہے یا نہیں' مملکت کی عدالت عالیہ کرے گی۔

کیا اس سے افراد کی آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تحقیق کا حق سلب ہوتا تھا یا نہیں؟

(چہارم) جس قسم کی اسلامی اسٹیٹ آپ خود قائم کرنا چاہتے ہیں' اس کے متعلق آپ نے خود ہی یہ تحریر فرمایا ہے کہ

> اس قسم کا اسٹیٹ ظاہر ہے کہ اپنے عمل کے دائرے کو محدود نہیں کر سکتا۔ یہ ہمہ گیر اور کلی اسٹیٹ ہے ...... اس کے مقابلہ میں کوئی شخص اپنے کسی معاملہ کو پرائیویٹ اور شخصی نہیں کہہ سکتا۔ اس لحاظ سے یہ اسٹیٹ فاشستی اور اشتراکی حکومتوں سے ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے (اسلام کا نظریہ سیاسی ص۳۶)۔

کیا آپ فرمائیں گے کہ (آپ کے اپنے الفاظ میں) یہ "بدترین قسم کی ڈکٹیٹرشپ" نہیں ہوگی؟

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں۔

> اگر آپ اس مرکز کو کسی شوریٰ کے مشورہ کا بھی پابند کر دیں تب بھی آپ اس (دائرے) کو وہ حیثیت دیدیں گے جو حیثیت صرف حضورؐ کو حاصل تھی کہ ان کا ہر حکم واجب الطاعت تھا اور اس کا انکار کفر تھا۔

ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ جب آپ کے تصور کا اسلامی اسٹیٹ قائم ہو جائے گا تو کیا اس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہوگا یا لوگوں کو اجازت ہوگی کہ جس حکم کی جی چاہے اطاعت کریں اور جس حکم کے خلاف ورزی کرنا چاہیں یہ کہکر اس کے ماننے سے انکار کر دیں کہ ہم اسے کتاب و سنت کے خلاف سمجھتے ہیں اسلئے اسے واجب الاطاعت نہیں مانتے؟

جو پوزیشن آپ اس اسلامی اسٹیٹ کو دینا چاہتے ہیں' وہی پوزیشن اس مرکزِ ملت کی ہوگی جو ایک قرآنی اسٹیٹ میں خدا کے احکام کو نافذ کریگا۔ یہ نظام' فاشستی اور اشتراکی نظام کے مماثل تو نہیں ہوگا لیکن اس کے فیصلے جو ملک کا قانون ہوں گے تمام ملت کے لئے واجب الاطاعت ہونگے۔

یہ ہے "حدیث و سنت" کی وہ پوزیشن جسے امیر جماعت اسلامی نے اپنی تقریر میں واضح فرمایا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ اس سوال کو کتنی بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اسلامی نظام میں سنت رسول کی حیثیت کیا ہے۔ ایسے اہم مسئلہ کے متعلق مودودی صاحب کی تصریحات وہ ہیں جو آپ کی نظر سے گذر چکی ہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنے فتویٰ میں مودودی صاحب کے متعلق کہا تھا کہ "یہ شخص جاہل اجہل ہے" ہمارا خیال ہے کہ یہ بات جہالت کی نہیں۔ اس لئے کہ مودودی صاحب اپنے کاروبار کے معاملہ میں بڑے ہوشیار واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنی اسی تقریر کا خاتمہ یوں فرماتے ہیں کہ۔

کتب فروشی

> ان حالات میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ میں آپ حضرات سے اپیل کروں کہ آپ جماعت اسلامی کے لٹریچر کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کی کوشش کریں تاکہ جس قدر لوگوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کرنا ممکن ہو کیا جا سکے۔

قرآن

مودودی صاحب نے اپنی ساری تقریر میں صرف ایک بات قرآن کے متعلق کہی ہے اور وہی قرآن کے خلاف ہے۔ میرزائی حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ میرزا غلام احمد صاحب خدا کے نبی تھے لیکن وہ کوئی کتاب لیکر نہیں آئے تھے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے ہیں کہ نبی اور رسول میں فرق ہی یہ ہوتا ہے کہ رسول صاحب کتاب ہوتا ہے اور نبی کتاب نہیں لاتا۔ یہ عقیدہ یکسر قرآن کے خلاف ہے اور محض میرزا صاحب کی نبوت کی تائید کے لئے گھڑا گیا ہے۔ لیکن مودودی صاحب بھی ان کی تقلید میں فرماتے ہیں کہ

> اللہ تعالیٰ نے کتاب کے بغیر تو نبی بھیجے ہیں لیکن نبی کے بغیر آج تک کوئی کتاب نہیں آئی۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمام انبیاء کو کتاب دیکر بھیجا تھا۔

> فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ (۲/۲۱۳)

> اللہ نے انبیاء کو مبشر و منذر بنا کر بھیجا۔ اور ان سب کے ساتھ (معھم) حق کے ساتھ کتاب نازل کی۔

یعنی اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ ہم نے ہر نبی کے ساتھ کتاب نازل کی اور یہ صاحب کہتے ہیں کہ نہیں! اللہ نے نبی بغیر کتاب کے بھی بھیجے تھے (جیسے میرزا صاحب) ذٰلك مبلغهم من العلم۔

باب المراسلات

تعدّد ازدواج

کچھ عرصے سے اخبارات میں تعدد ازدواج کے مسئلہ پر جو بحث جاری ہے۔ اس کا میں دلچسپی سے مطالعہ کرتا رہا ہوں. میں نے اس سلسلہ میں پاکستان کے مختلف علما کے فتاوے بھی پڑھے ہیں. میں محسوس کرتا ہوں کہ مختلف النوع آرا، یا تو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں پر مبنی ہیں یا قرآن کی غلط تفاسیر پر. عوام کے سامنے قرآن حکیم کی پیش کردہ صحیح تصویر نہیں رکھی گئی جس سے وہ اس مسئلہ کا صحیح فیصلہ کر سکیں۔

قرآنی عبارت کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ نہ صرف مختلف آیات کا آپس میں ربط ہے. بلکہ مختلف سورتیں بھی مضامین کے اعتبار سے آپس میں تعلق رکھتی ہیں قرآن مجید میں صرف ایک مقام ہے جہاں تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے- وہ اس طرح کہ "اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے تو تم دو دو تین تین چار چار عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں (یا جو تمہارے نکاح میں آنا پسند کریں) نکاح کر سکتے ہو. اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل قائم نہیں رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی (رہے گی)۔ . . . (سورۃ النساء آیۃ ۳)

اس آیۂ مبارکہ والی سورۃ سے پہلے ان اشخاص کا تذکرہ آتا ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی یا اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کئے گئے (سورۃ آل عمران آیۃ ۱۹۵) گویا ملک میں جنگ سے پیدا شدہ حالات کا ذکر ہے. اس کے علاوہ اس آیت میں یتامیٰ کے بارے میں انصاف نہ کر سکنے کے ڈر کی شرط لگائی گئی ہے. اس قسم کے حالات کا پیدا ہونا ہی اس آیۂ مبارکہ کے دوسرے حصے پر عمل کی اجازت دیتا ہے. چنانچہ اگر یتیموں کے ساتھ ناانصافی کا ڈر نہ ہو تو اس آیۂ مبارکہ کے دوسرے حصے پر عمل کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔

یتیموں کے ساتھ ناانصافی کا خوف صرف غیر معمولی حالات میں ہی ممکن ہے. مثلاً جیسے کہ ملک کی تقسیم کے موقع پر مشاہدہ میں آئے. جب حالات معمول پر ہوں تو اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا. بد قسمتی سے بعض علمائے کرام نے تعدد ازدواج کا جواز بیان کرنے کی خاطر اس آیت کا صرف دوسرا جزو پیش کیا ہے اور پہلا حصہ حذف کر دیا ہے. یہاں تک کہ بعض ایسے حضرات نے بھی یوں کیا ہے. جو تعدّد ازدواج کے حق میں نہیں یہ نہ قرآن کریم کے ساتھ انصاف ہے اور نہ ان کے ساتھ جو قرآن مجید کو صحیح نقطۂ نظر سے سمجھنا چاہتے ہیں. علاوہ ازیں الفاظ جو استعمال کئے گئے ہیں. وہ دو یا تین یا چار نہیں بلکہ دو دو تین تین چار چار ہیں. جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ معاملہ انفرادی نہیں بلکہ ملک کے صاحب امر یا اس کے نمائندوں کے لئے ہے کہ وہ ان غیر معمولی پیدا شدہ حالات میں فیصلہ دیں اور اہل مردوں کی تعداد اور عورتوں کی تعداد کا جائزہ لے کر تناسب مقرر کریں. تاکہ ہنگامی حالات میں معاشرہ کا یہ مشکل مسئلہ حل ہو سکے۔

مختصراً یہ کہ تعدد ازدواج کا جواز بشرط عدل صرف غیر معمولی حالات میں پیدا ہوتا ہے جب کہ بعد از جنگ کے حالات میں یتامیٰ کثیر تعداد میں موجود ہوں. لیکن جب حالات معمول پر ہوں. جیسے کہ آجکل پاکستان میں ہیں کہ یہاں عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے زیادہ نہیں تعدد ازدواج کا جواز پیدا نہیں ہوتا. آجکل فرانس اور جرمنی جیسے ممالک میں تعدد ازدواج کا جواز ملتا ہے. جہاں کہ بظاہر تو ایک مرد کے لئے ایک ہی عورت ہے. لیکن کہا جاتا ہے کہ اصل میں ایک ایک مرد کے کئی عورتوں سے تعلقات ہیں. اس وجہ سے کہ وہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے دگنی ہو گئی ہے. چونکہ ان لوگوں کا بعد از جنگ کے ہنگامی حالات میں تعدد ازدواج پر ایمان نہیں. اس لئے ان ممالک میں بدکاری کی وسیع پیمانے پر موجودگی بیان کی جاتی ہے۔

سورۃ النساء آیۃ ۲۳ کے آخر میں فرمایا گیا ہے: "اور تم پر دو بہنوں کا اکٹھا کرنا (بھی حرام ہے)" تو جب ان غیر معمولی حالات میں تعدد ازدواج ناگزیر ہو تب بھی دو بہنیں ایک ہی شخص کے نکاح میں نہیں آسکتیں. تعدد ازدواج کی ناپسندیدگی صاف ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں ایک شخص کی دو بیویوں کے درمیان حسد اور رنج رہے گا. اور چونکہ دو بہنوں میں قدرتی محبت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ اس طرح سے ان کے درمیان رنج کا سامان پیدا ہو جائے۔

جو حضرات عام حالات میں تعدّد ازدواج کے حامی ہیں اگر ان سے کہا جائے کہ وہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی شادیاں ایسے اشخاص سے کر دیں جو پہلے ہی شادی شدہ ہوں. تو یقیناً وہ اس بات پر خوش نہ ہوں گے. کیا ایسا نہیں کہ یہ حضرات ان حالات میں یہ کوشش کریں گے کہ وہ شخص پہلی بیوی سے کوئی سروکار نہ رکھے اور اسے "معلقہ" بنا دے؟۔

رسول کریم کی سوانح حیات پر غور فرمایئے. پچپن[1] برس کی عمر تک ان کی ایک ہی بیوی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے بعد از جنگ کے حالات اور سورۃ احزاب میں بیان شدہ حالات غیر معمولی میں اور نکاح کئے. صحابۂ کرام نے بھی ان غیر معمولی حالات میں ہی ایسا کیا۔

بخاری شریف جلد سوم کتاب النکاح پارہ ۲۱ میں بیان کیا گیا ہے. "مسوّرؓ بن مخرمہ راوی ہیں کہ ایک دن رسول کریمؐ نے فرمایا کہ بنی ہشام بن مغیرہ میری اجازت چاہتے ہیں کہ اپنی بیٹی کو (حضرت) علیؓ کے ساتھ بیاہ دیں. میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا نہیں دے سکتا، نہیں دے سکتا سوائے اس کے کہ ابن ابی طالب (حضرت علیؓ) پہلے میری بیٹی کو طلاق دیدیں۔ اور پھر ان کی بیٹی سے شادی کر لیں۔ اس لئے کہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑہ ہے. جس نے اس کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی۔ اور جس نے اسے ایذا پہونچائی. اس نے مجھے ایذا پہنچائی: اس میں تعدد ازدواج سے رسول کریمؐ کی بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت علیؓ کی مجوزہ دوسری شادی کو حضرت فاطمۃؓ الزہرا کے حق میں تکلیف دہ اور نقصان دہ بیان کیا گیا۔

سورۃ البقرآیہ ۱۷۳ میں ارشاد ہے کہ "اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جو اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی سے نامزد کیا گیا ہو. اب اگر ایسی حالت ہو کہ کوئی بھوک سے بیتاب ہو اور مقصود تو لذت ہو اور نہ خدائی حدود کو توڑنا تو اس پر کچھ گناہ نہیں (اگر وہ یہ بھی کھالے) بیشک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے" گویا جو چیزیں عام حالات میں حرام ہیں. غیر معمولی حالات میں جان بچانے کی خاطر جواز پاتی ہیں۔ اسی طرح تعدد ازدواج غیر معمولی حالات میں بدکاری کو روکنے کی خاطر جواز پا جاتی ہے۔

تعدد ازدواج کے حق میں یہ کہا جاتا ہے کہ بعض مرد غیر معمولی قسم کے ہوتے ہیں اور ان کے لئے ایک ہی بیوی کافی نہیں ہوتی ایسے حضرات کو یہ بھی ماننا چاہیئے کہ بعض عورتیں بھی غیر معمولی قسم کی ہوتی ہیں. اور ایسی عورتوں کے لئے ازراہ نوازش کوئی تدارک تجویز فرمانا چاہیئے۔

قرآن مجید میں نکاح کا مقصود محصنین غیر مسٰفحین (پابندی نہ کہ شہوت رانی) پیش کیا گیا ہے (سورۃ النساء آیۃ ۲۴:) عقلمند شخص بنی نوع انسان کی بہبودی کے لئے اپنی قوت کو خرچ کرتا ہے. اور اس سلسلہ میں اپنے اوپر کچھ پابندیاں بھی عائد کرتا ہے. رسول کریم کی پیش کردہ مثال ہمارے سامنے ہے کہ انھوں نے پچپن برس کی عمر تک ایک ہی بیوی پر اکتفا کیا. اور اپنی جوانی اور اپنی قوت کو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا. تعدد ازدواج کے حامیوں کے لئے اس میں سبق ہے کہ اپنی قوتوں کا رخ قوم کے لئے تعمیری کاموں کی طرف پھیر دیں۔

لاہور ایم۔ ڈی۔ مرزا

مقام حدیث
حدیث کے متعلق پوری تفصیل
جلد اول - جلد دوم
قیمت فی جلد چار روپے

[1] تاریخی روایات سے جہاں تک مترشح ہوتا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات اس وقت ہوئی تھی. جبکہ آپ کی عمر پچاس سال کی تھی. حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد جب کہ آپکی عمر قریب اکیاون سال تھی آپ نے حضرت سودہؓ سے نکاح کیا تھا۔ لہٰذا پچپن کے بجائے اکیاون سال ہونا چاہیئے" (طلوع اسلام)

نقد و نظر

کتاب قیامت

مصنفہ:۔ سید محفوظ الحق علی مولوی فاضل شائع کردہ:۔ محفل روحانی ملی بہائیان ہند و پاکستان و برما پبلشنگ کمیٹی۔ ملنے کا پتہ۔ بہائی ہال کراچی نمبر ۵۔ ضخامت ۳۳۲ صفحات۔ قیمت بلا جلد دو روپے چار آنہ

مسلمانوں کی تاریخ بھی عجیب طرفہ تماشا ہے۔ یہ قرآن پر ایمان رکھتی ہے۔ لیکن قرآن نے انسانی تاریخ میں جن جن دروازوں کو بند کیا تھا۔ انھوں نے ان میں سے ایک ایک دروازے کو چوپٹ کھولا۔ اور اس کا نام اسلام کی تعلیم رکھا۔ قرآن نے کہا کہ ملوکیت استبداد کی مظہر ہے۔ اسے ختم کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے ہاں ملوکیت کو جاری کیا۔ اور آج جب کہ دنیا کی قریب قریب ہر قوم اپنے ہاں سے ملوکیت کو دیس نکالا دے چکی ہے۔ مسلمانوں کے ہاں بادشاہ موجود ہیں۔

قرآن نے کہا کہ پیشوائیت انسان کے دور توہم پرستی کی یادگار ہے اسے دین سے کوئی سروکار نہیں یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے لیکن مسلمانوں نے اپنے ہاں مولویوں کا مستقل طبقہ پیدا کیا۔ جو اس وقت تک شجر ملت پر اکاس بیل کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔

قرآن نے کہا کہ رنگ، نسل، خون، زبان، وطن کے امتیازات عہد جہالت کی یادگار ہیں۔ اسلام میں انسانوں کی تقسیم صرف کفر و ایمان کے معیار سے ہوتی ہے۔ اس معیار کی رو سے تمام دنیا کے مومن ایک ملت کے افراد ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے ان امتیازات کو پھر سے قائم کر لیا۔ اور یہ حدود آج تک قائم ہیں۔ اور بڑے شد و مد سے قائم۔

قرآن نے کہا کہ نبی اکرمؐ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جاتا ہے خدا نے تمام نوع انسانی کی راہ نمائی کے لئے جو ضابطۂ حیات دینا تھا وہ اپنی مکمل شکل میں قرآن کے اندر دیدیا گیا ہے۔ اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے۔ اب اس کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں آئیگا اب انسانوں کو اس وحی کے اصولوں کی روشنی میں اپنی عقل سے کام لینا ہوگا۔ اب افراد کی جگہ امم کا دور شروع ہو گیا ہے۔ اب موت اور حیات کے فیصلے اشخاص کی فتح اور شکست کے بجائے اس نظام کے نقص اور خوبی کی بنا پر ہوں گے۔ جو آئیڈیالوجی پر مبنی ہوگا۔ قرآن نے ختم نبوت سے تاریخ انسانیت میں اس نئے دور کا آغاز کیا لیکن تماشا ہے کہ اس دروازے کو بھی خود مسلمانوں نے ہی توڑا اور انہی میں نبوت کے دعویدار پیدا ہو گئے۔ باقی دنیا میں کہیں نبی پیدا نہیں ہوئے۔ ان مدعیان نبوت میں ہمارے دور میں قادیان کے مرزا غلام احمد اور ایران کے سید علی محمد باب اور بہاء اللہ مشہور ہیں مرزا صاحب کی نبوت کا صغری کبری یہ تھا کہ مسلمان ایک آنیوالے کے انتظار میں ہیں اور وہ آنیوالا میں ہوں۔ اگر وہ آنیوالا مسیح ہے تو مسیح ابن مریم وفات پا چکے۔ اب میں مثیل مسیح کی حیثیت سے آیا ہوں۔ اور اگر وہ امام مہدی ہیں تو امام مہدی میں ہوں۔

لیکن یہ اپنے دعوائے نبوت میں چلمنی انداز سے سامنے آئے یعنی یہ کہا کہ میں نبی تو ہوں لیکن کوئی الگ کتاب نہیں لایا۔ اس کے برعکس باب اور بہاء اللہ صاحب نے نبوت کا بھی دعویٰ کیا اور اس کے ساتھ نئی کتاب کا بھی۔ ان کا دعوائے مرزا صاحب کی نسبت زیادہ صاف ہے۔ کیونکہ نبی بغیر کتاب کا تصور ایک بے معنی چیز ہے۔

ایرانی نبوت کا صغری کبری ہندی نبوت سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ چنانچہ زیر تبصرہ کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

> قیامت کے معنی ہیں اٹھ کھڑا ہونا جب کوئی پیغمبر ظاہر ہوتا ہے۔ خدا کے حکم سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ لوگ بھی نئی زندگی میں برپا ہوتے ہیں۔ پیغمبر کی بعثت سے وفات کے دن تک یوم قیامت کہلاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ کی بعثت سے وفات تک یہودیوں کی قیامت تھی جبکہ حضرت عیسیٰ نے قائم ہو کر نئی زندگی میں لوگوں کو برپا کیا اور حضرت رسول اللہؐ کی بعثت سے وفات تک عیسائیوں کی قیامت تھی۔ جبکہ حضرت رسول اللہ نے لوگوں کو نئی زندگی میں برپا کیا۔ اور حضرت باب کی بعثت سے شہادت تک مسلمانوں کی قیامت تھی۔ جب کہ حضرت باب نے لوگوں میں نئی زندگی کی روح پھونکی۔ اور سب کو نئے دور میں برپا کیا۔ اور حضرت بہاء اللہ کے ظہور سے صعود تک بابیوں کی قیامت تھی۔ جب کہ حضرت بہاء اللہ نے اعلان حق کا صور پھونکا۔ اور لوگ نئی زندگی میں کھڑے ہوئے اور تمام دنیا میں نئی لہر چلنے لگی۔ اسی طرح قیامت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اس سے لامحالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے معنی اٹھ کھڑا ہونا تو ٹھیک ہیں۔ لیکن اس دعوے کے لئے کہ اس سے مراد ایک نئے نبی کا ظہور ہے کیا سند ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند خود علی محمد باب اور بہاء اللہ صاحب کی وحی ہے۔ چنانچہ تحریر ہے کہ

> خدا نے ایک کتاب حضرت سید علی محمد باب اللہ پر نازل فرمائی جس کا نام "بیان" ہے۔ اس میں نہایت تفصیل سے موت و حیات کی حقیقت، قیامت کی حقیقت، حساب کتاب کی حقیقت، میزان کی حقیقت، جنت دوزخ کی حقیقت، لقائے الٰہی کی حقیقت وغیرہ وغیرہ تمام مسائل شرح و بسط سے خود بیان فرمائے ہیں۔ پھر حضرت بہاء اللہ نے کتاب مستطاب "ایقان" میں ان تمام حقائق کا بیان فرمایا ہے..... ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم جو تفسیر آیات قرآنیہ کی بیان کرتے ہیں اور فنائے عالم کو قیامت نہیں بتلاتے بلکہ ظہور حق کے ایام کو قیامت کہتے ہیں۔ اس کی بنیاد ہماری شخصی فکر نہیں بلکہ خود خداوند عالم نے اپنے تازہ کلام میں صاف صاف فرمادیا ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا یہ مطلب ہے (صـ۳۱۱)

آپ نے اس منطق پر غور فرمایا۔ سوال یہ تھا کہ اس ایرانی نبوت کی دلیل کیا ہے؟ جواب ملا کہ اس کی دلیل لفظ قیامت ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ پوچھا گیا کہ قیامت کا یہ مفہوم کس طرح لیا گیا؟ جواب ملا کہ اس کا مفہوم ان حضرات کو وحی کے ذریعہ ملا۔ یعنی جو دعوے ہے وہ ہی اسکی دلیل بھی ہے۔ آپ غور کیجئے کہ جن لوگوں کی سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہ آئے کہ دعوائے نبوت کی یہ بنیاد کس قدر کمزور اور غلط ہے۔ ان سے حقائق کے متعلق بات کیا کی جائے؟ زیر نظر کتاب میں قیامت کے اسی مفہوم کو اصل قرار دے کر اس کے متعلقات مثلاً موت و حیات، قبر، عذاب قبر، پل صراط، برزخ، نفخ صور، جنت دوزخ وغیرہ کی تاویلات اس طرح کی گئی ہیں جو اس بنیادی مفہوم پر فٹ آجائیں۔ اس ضمن میں دو ایک دلائل اور بھی ملاحظہ فرمائیے قرآن کریم کی مشہور آیت ہے کہ "خدا کا ایک ایک دن ہزار ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس سے یہ دلیل لائی گئی ہے کہ

> ایک ہزار سال پورے ہونے پر دور اسلام ختم ہو جائیگا اور قرون اولیٰ کے دو سو ساٹھ سال ہیں۔ ان میں ہزار سال ملا کر ۱۲۶۰ سال ہوئے۔ جبکہ قیامت کا صور پھونک دیا گیا۔ اور سنت اسلام کے مہدی موعود حضرت سید علی محمد باب نے حکم خداوندی سے نئے دور کا مژدہ سنایا (صـ۱۶۵)

یعنی باب صاحب کا ظہور سنہ ۱۲۶۰ھ میں ہوا، اس لئے قرون اولیٰ کے دو سو ساٹھ سال کہلائے۔ اگر ان کا ظہور سنہ ۱۳۰۰ھ میں ہوتا تو قرون اولیٰ کے تین سو سال شمار کر لئے جاتے اور جب دلیل پوچھی جاتی تو کہدیا جاتا کہ خدا نے ہمیں ایسا ہی بتایا ہے۔ یہ تو ہی زمان کی دلیل۔ اب مکان کی طرف آئیے۔ قرآن میں ہے یَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِن مَّكَانٍ قَرِيبٍ۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ عرب سے قریب، ایران، عراق اور شام ہیں؟ لہذا اس سے بھی ثابت ہوا کہ باب صاحب اور بہاء اللہ صاحب خدا کے رسول ہیں۔ غرضیکہ ساری کتاب اس قسم کے دلائل پر مشتمل ہے

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں قیامت کا لفظ قوموں کی نشأۃ ثانیہ کے لئے بھی آیا ہے اور اس کے تضمنات میں اکثر الفاظ کا مفہوم اس قسم کے انقلاب پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس سے ایک نئے نبی کا مفہوم کسی صورت میں بھی نہیں لیا جا سکتا قرآن نوع انسانی کے لئے خدا کی طرف سے آخری ضابطۂ حیات ہے۔ جس کے بعد وحی کا عقیدہ قرآن کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ اس لئے قرآن کی کسی اصطلاح سے ایسا مفہوم پیدا کرنا جس سے دروازۂ نبوت کھل جاتا ہو۔ قرآن سے کھلا ہوا انحراف ہے۔ اور اس مفہوم پر اٹھائی ہوئی عمارت قرآن کی بہت بڑی تحریف ہے۔

اصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کے بعد دعوائے نبوت کیا ہے یا جو لوگ ایسے مدعیوں پر ایمان لے آئے ہیں انھوں نے قرآن کی عظمت اور حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور اس نے

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

عالم اسلامی

افغانستان کا قضیہ ابھی تک لاینحل پڑا ہے۔ ہر چند شاہزادہ مساعد بن عبد الرحمٰن نے یہ اعلان کیا تھا کہ اصول بنیادی سے متعلق اتفاق ہو چکا ہے ابھی تک تفاصیل طے نہیں ہو سکیں۔ اب دکھائی دیتا ہے کہ افغانستان اپنے عہد سے پھر گیا ہے۔ گو ذمہ دارانہ طور پر اصل سے متعلق اتفاق کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتفاق اس پر ہوا تھا کہ افغانستان میں پاکستانی پرچم کی جو توہین کی گئی اور پاکستانی املاک کو نقصان پہنچایا گیا اسکی مسلمہ قواعد کے مطابق تلافی کی جائے۔ اور اس کے بعد پشاور کے واقعہ کی پانچ قومی کمیشن کے ذریعہ تحقیقات کی جائے اور اگر اس کی ذمہ داری پاکستان پر عائد ہو تو پاکستان بھی انہی قاعدے کے مطابق تلافی کرے لیکن اگر بات یہیں تک ہوتی تو اب تک تفاصیل کا اعلان ہو جانا چاہئے تھا۔ ایسا نہ ہونے سے بجا طور پر اس خدشے کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ افغانستان آمادہ بہ مفاہمت نہیں

۱۰ جون کی رات کو کرنل سعادت کے کراچی پہنچنے کی توقع ہے۔ آپ کو مصری حکومت نے مصالحت پر مامور کیا ہے اپ کی آمد سے بظاہر یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ پشاور کے واقعہ کی تحقیقات کیلئے جو پانچ قومی کمیشن بنایا جائیگا اس کے لئے تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ کیا واقعی ایسا ہو گیا ہے، اس کا علم آپ کی آمد کے بعد ہو سکے گا۔

عالم اسلامی میں ان دنوں آمد و رفت کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ شاہ ادریس السنوسی بہت جلد ترکی کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ عراق کے وزیر اعظم نوری السعید انقرہ پہنچ چکے۔ شاہ فیصل بعد میں جائیں گے۔ صدر جمہوریہ ترکیہ جناب جلال بایار اسی ماہ کے وسط میں لبنان کا دورہ کریں گے (صدر لبنان حال ہی میں ترکی کا دورہ کر چکے ہیں) لبنان سے فارغ ہو کر آپ اردن بھی جائیں۔ اردن کے نئے وزیر اعظم سعید مفتی بغداد جائیں گے اور وہ عراق سے معاشی مدد حاصل کرنے کے لئے بھی گفتگو کریں گے اور استحکام روابط کے لئے بھی) یہ آمد و رفت علامت ہے ان عوامل اتحاد و یگانگت کی جو عالم اسلامی کی گہرائیوں میں کار فرما ہیں۔ ان میں مزاحمت روا نہ رکھی گئی تو یہ یقیناً مطلوبہ نتیجہ پیدا کر کے رہیں گے۔

غزا میں اسرائیل اور مصر کے مابین کشیدگی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کرنل ناصر نے کہا ہے کہ اگر اب جنگ شروع ہوئی تو وہ باقاعدہ جنگ ہوگی اور اس کا نقشہ ۱۹۴۸ء کی جنگ سے بالکل مختلف ہوگا۔ عرب لیگ کی معرفت دیگر ممالک عرب نے اعلان کیا کیا ہے کہ اگر مصر سے اسرائیل نے جنگ کی طرح ڈالی تو وہ سب مل کر مصر کا ساتھ دیں گے۔ واضح رہے کہ ترکی کے صدر نے لبنان کا دورہ کرتے ہوئے پچھلے دنوں کہا تھا کہ اگر ترکی اور لبنان کا معاہدہ ہو گیا تو اسرائیلی حملہ کی صورت میں ترکی بھی اسرائیل سے جنگ کرے گا۔ یہ بڑا اہم اعلان تھا۔ اگر مصر اس کی اہمیت محسوس کرے تو وہ پاکستان، ترکی اور عراق کے دفاعی سلسلہ میں منسلک ہو کر عالم اسلامی کے اتحاد کو مضبوط تر بنا سکتا ہے۔ اس صورت میں عالم عربی نہیں بلکہ ممالک مسلمہ ایک نقطے پر جمع ہو جائیں گے۔

بین الاقوامی جائزہ

روس اور چین ان دنوں اپنے موقف سے ہٹ کر ان قوتوں کو اپنے حق میں تبدیل کرنے کے لئے بڑی تگ و دو کر رہے ہیں، جو میدان سیاست عالم میں توازن پیدا کرنے کا موجب بن سکتی ہیں۔ آسٹریا کو غیر جانبدار بنا کر روس نے ایک طرف مغربی جرمنی کے غیر جانبدار ہونے کی طرح ڈالی اور دوسری طرف یوگوسلاویہ کو دام تزویر میں لینے کی کوشش کی۔ مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر اڈینار نے تو صاف طور پر کہدیا ہے کہ وہ اسلحہ بندی سے دستکش نہیں ہوں گے اور مغرب کے حلیف رہیں گے۔ یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو سے روسی وزیر اعظم مارشل بلگانن، اور کمیونسٹ پارٹی کے سکرٹری کروشیف نے خود بلگریڈ جا کر ملاقات کی۔ ان دونوں ممالک کے تعلقات ۱۹۴۸ء میں منقطع ہوئے اور اسکے بعد یوگوسلاویہ روس کی نظروں میں مقہور و مغضوب بن گیا ان حالات میں روسی قائدین کا بلگریڈ جانا ایک انہونی سی بات تھی۔ اس کے باوجود وہ گئے اور تعلقات کو نئے قالب میں ڈھالنے سے پہلے انقطاع تعلقات کی ذمہ داری پولیس کے سابق افسر علی بیریا پر ڈالی جن کو گذشتہ سال اچانک گدی سے اتار کر گولی کا نشانہ دیا گیا تھا۔

بلگریڈ کے مذاکرات کے بعد جو مشترکہ اعلامیہ شائع ہوا ہے اس سے گو ایک حد تک مترشح ہوتا ہے کہ یوگوسلاویہ نے کہیں کہیں روسی موقف کی تائید کی ہے لیکن اسے روسی ڈپلومیسی کی فتح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بہرکیف ابھی یہ دیکھنا ہے کہ مشترکہ اعلامیہ پر عمل در آمد کیسے ہوتا ہے۔ ایسے نظر آتا ہے کہ یوگوسلاویہ مغرب سے رابطہ منقطع کر کے پوری طرح غیر جانبدار ہونے کے لئے تیار نہیں۔ روسی لیڈروں سے ملاقات ختم کرنے کے بعد مارشل ٹیٹو نے امریکہ، برطانیہ، فرانس کے نمائندوں کو ملنے کے لئے بلایا ہے۔ اس کانفرنس کا مقصد اقوام مغرب کو روس کے ساتھ مذاکرات کی تفاصیل سے آگاہ کرنا ہے۔ گویا یوگوسلاویہ روس کے بارے میں رازداری سے کام نہیں لیگا۔

مشرق میں چین نے بھی مصالحت جوئی کا ایک مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے چار امریکی ہوابازوں کو رہا کر دیا ہے۔ کوئی پچاس سے اوپر امریکی اسیروں میں سے چار کی رہائی بہت بڑا کارنامہ نہیں لیکن یہ چینی موقف میں تبدیلی ضرور ہے۔ اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری مسٹر ہیمرشولڈ نے اس پر خصوصی اطمینان کا اظہار کیا ہے اور توقع ظاہر کی ہے کہ دوسرے اسیر بھی جلد رہا کر دیئے جائیں گے۔ امریکہ میں بھی اس کا خیر مقدم کیا گیا ہے اور خلاف توقع اور ناقابل یقین بات یہ ہے کہ امریکہ نے جنیوا میں چینی نمائندے کی وساطت سے چین کو براہ راست کہا ہے کہ وہ بقایا قیدیوں کو بھی چھوڑ دے۔ یہ براہ راست تعلق اس لئے اہم ہے کہ امریکہ نے چین کو تسلیم نہیں کر رکھا۔

امریکی ہوابازوں کی رہائی کی شاباش ہندوستان بھی لینے کی کوشش کی ہے۔ مسٹر مینن نے علانیہ طور پر کہا کہ یہ رہائی ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مسٹر ہیمرشولڈ جو خصوصیت سے اس کے لئے کوشاں رہے اور چین جا کر قائدین سے بھی ملتے رہے، انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا لیکن اس مصلحت سے کچھ کہنا پسند نہ کیا کہ اس سے ان پر اثر پڑیگا جن کی رہائی کے لئے کوشش کی جا رہی ہے۔ مسٹر مینن چین سے آپس آ گئے ہیں اور اب انگلستان میں ہیں اور امریکہ جائیں گے۔ پنڈت نہرو ماسکو کے لئے روانہ ہو گئے ہیں۔ ہندوستان اس آمد و رفت سے دنیا کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ ہندوستان بھی دول عظمیٰ میں سے ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قیادت ایشیا کا خواب پھر سے ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ حالانکہ بنڈونگ میں اسے پریشان کر دیا گیا تھا۔ اور مشرق و مغرب میں مصالحت پر پھر توجہ مرکوز کی جا رہی ہے دنیا کو ادھر الجھا کر پنڈت نہرو ایک طرف کشمیر کا معاملہ کھٹائی ڈالے جا رہے ہیں اور دوسری طرف گوا پر قبضہ کرنے کے لئے راستہ صاف کر رہے ہیں یہی دو معاملات ایسے ہیں جن کے لئے انہیں دوسروں کے سامنے شرمسار ہونا پڑتا ہے۔

نقد و نظر

(صفحہ ۱۰ سے آگے)

سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو براہ راست نہیں دیکھا بلکہ ان تفسیروں کے ذریعہ سے سمجھا ہے۔ جو ہمارے ہاں عرصے سے مروج چلی آ رہی ہیں۔ ان تفسیروں کے ذریعے سے جو قرآن ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سے قرآن ایک مکمل اور ابدی ضابطہ حیات کی طرف عام انسانی سطح کی تعنیف بھی دکھائی نہیں دیتا۔ یہ لوگ ان تفسیروں کو دیکھتے ہیں۔ اور ان سے قرآن کا اندازہ لگاتے ہیں جو شخص قرآن کو براہ راست دیکھ لے اس کے کبھی حیطہ تصور میں بھی یہ نہیں آ سکتا کہ اس کتاب کے بعد نوع انسانی کو کسی اور رہنمائی کی بھی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ مرزا صاحب کے الہامات اور سید علی محمد باب اور بہاؤ اللہ صاحب کی پست تصانیف کو خدا کا کلام سمجھنے لگ جائے۔

جو شخص اس قسم کی عربی زبان کو اس خدا کا کلام سمجھے جس نے قرآن نازل کیا ہے۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے کہ

با دی نہ رسیدی خدا چہ می جوئی

نمونہ ملاحظہ ہو۔ قیامت کی مناجات میں یہ دعا لکھی گئی ہے

سبحانك اللّٰهم یا الٰهی اسئلك باستوائك علی عرش الظهور وبا سمك الذی به نفخ فی الصور وقام من فی القبور ان تقدّر لی ما ینبغی فی كل عالم من عوالم الملك انك انت المقتدر المشفق الفیاض

یہاں خدا کے لئے مشفق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو خود زبان اور لغت کے اعتبار سے بھی غلط ہے کیونکہ شفقت میں اندیشہ اور خوف کا تصور پایا جاتا ہے۔ جس کا اطلاق خدا پر نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ کہیں بھی خدا کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ ایسے ہی قرآن کریم میں خدا کے لئے نہ فیض کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نہ فیاض کا لفظ۔ اور پھر اللّٰهم اور یا الٰهی پر بھی غور فرمایئے۔ ایک طرف اللّٰهم اور پھر اس

مطبوعات طلوع اسلام

معراجِ انسانیت از پرویز - سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش - مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں - بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات - اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ، مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش —— قیمت - بیس روپے

ابلیس و آدم از پرویز - سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے - انسانی تخلیق نقشۂ آدم - ابلیس - جنات - ملائکہ - وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل - بڑی تقطیع کے ۷۰ صفحات —— قیمت —— آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے - اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے - دو سو بیس صفحات —— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں - اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب ہیں - پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات - جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں - ۱۸۰ صفحات —— قیمت —— دو روپے

سلیم کے نام از پرویز - نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں - ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب - بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات —— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساٹھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث - ۴۰۰ صفحات قیمت —— چار روپے

اسبابِ زوالِ امت از پرویز - مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات —— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو - طنز اور تنقید کے گہرے نشتر - سات سالہ دورِ آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ - ۲۵۶ صفحات —— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناسِ رسول یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہے؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی - ۴۰۴ صفحات - قیمت —— چار روپے

مقامِ حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب - احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یکجا نہیں ملیں گی - دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد —— چار روپے

فردوسِ گم گشتہ از پرویز - ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا - خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف - ۴۱۲ صفحات —— قیمت چھ روپے

نوادرات از علامہ اسلم جیراجپوری - علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ - چار سو صفحات —— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت از پرویز - مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ - رہنے سہنے کے ڈھنگ - سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات - انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینہ میں - صفحات ۱۹۲ —— قیمت دو روپے

نظامِ ربوبیت از پرویز - انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور - دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب - ضخامت تین سو صفحے - قیمت قسم اول —— چھ روپے　قسم دوم —— (غیر مجلد) —— چار روپے

اقبال اور قرآن از پرویز - علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ - ڈسٹ کور کے ساتھ - صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ - محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: **ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی**

جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی

مطبوعاتِ طلوعِ اسلام کی شرائطِ ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت —— ۲۵ فی صدی - دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی

(۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی - (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی - (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے - (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے - ورنہ تعمیل نہیں ہوسکے گی

نوٹ: - کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں -

ناظم ادارہ طلوع اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے - اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں -

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ - کراچی

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے -

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۰ء	نومبر
۱۹۵۱ء	مارچ تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیئے جائیں گے -

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں - ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام —— کراچی

تقاضائے انصاف

(ص ۶ سے آگے)

نصف درجن اسیران مارشل لا کو کیوں قابل رہا نہیں سمجھا جاتا؟ کیا اس لئے کہ کوئی جماعت ان کے لئے طوفان احتجاج کھڑا نہیں کر سکتی؟ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی سزائیں لمبی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا جرم سنگین تر تھا تو مولانا مودودی اور مولانا نیازی کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔ جنھیں پہلے سزائے موت دی گئی تھی اور بعد میں اسے چودہ سال کی قید با مشقت میں تبدیل کر دیا گیا تھا؟ ہمیں ان حضرات کے جرم سے کوئی سروکار نہیں لیکن ان کی سزا ہی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جرم سنگین ترین تھا۔ اس کے بعد فرق صرف یہ رہ جاتا ہے کہ جماعت اسلامی کے یہ "اعاظم رجال" تھے۔ ان کی سزائیں بیرونی دباؤ کی وجہ سے کم کر دی گئیں اور دوسرے معمولی آدمی ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں اس لئے ان کی سزائیں بدستور سابق ہیں کیا حکومت کو افراد مملکت میں اس قسم کا فرق کرنا زیب دیتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جن غریبوں کا کوئی پوچھنے والا نہیں ان کا حکومت پر ان سے کہیں زیادہ حق ہے۔ جن کے لئے ذرا ذرا سی بات پر ہنگامے برپا کر دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ باقیماندہ اسیروں کو بھی قید و بند سے رہا کر دے یا ملک کو بتلائے کہ انھیں کیوں چھوڑا گیا ہے اور انھیں کیوں نہیں چھوڑا جا سکتا؟

سیاست کے کھیل

ملک فیروز خاں نون نے وزارت کی برطرفی کے بعد جو بیانات دیئے ہیں ان میں ایک بات جو نمایاں طور پر سامنے آتی ہے یہ ہے کہ ارباب حکومت (یعنی وہ لوگ جو ابھی تک ایوان حکومت میں موجود ہیں) اپنے ذاتی استحکام و بقا میں مصروف اور جمہوری اقتضاآت سے بے پروا ہو کر آمریت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ چنانچہ مجلس دستور ساز کے انتخابات سے متعلق قواعد پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے مرکزی حکومت کو "مرکزی ڈکٹیٹر شپ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسی بیان میں آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ کس طرح یہ "ڈکٹیٹر شپ" اپنے جی حضوریوں کو مجلس دستور ساز کیلئے منتخب کرانا چاہتی ہے اور کس طرح پنجاب کے گورنر سادہ کاغذوں پر ارکان اسمبلی سے دستخط لے رہے ہیں۔ تاکہ کوئی ناخواندہ منتخب نہ ہو سکے۔ وغیرہ وغیرہ

سردست اس سے بحث نہیں کہ ملک صاحب نے جن رازہائے درون پردہ کو بے نقاب کیا ہے وہ کس حد تک قابل نفرت و لائق مذمت ہیں۔ اس وقت ہمیں اس نقطہ کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ اب تک دیکھا یہ گیا ہے کہ جب تک کوئی شخص ایوان حکومت کے اندر رہتا ہے وہ اپنی اور اپنے رفقاء کی حسن کارکردگی میں رطب اللسان رہتا ہے اور جب اسے کسی نہ کسی وجہ سے اس ایوان سے نکلنا پڑتا ہے تو وہ ان لوگوں کے خلاف جو ابھی تک اس ایوان کے اندر ہوتے ہیں ہمہ تن تنقید بن جاتا ہے۔ مگر ملک صاحب قیام پاکستان سے لے کر اب تک مسلسل میدان سیاست میں رہے ہیں اور انھوں نے ہمیشہ حکمران پارٹی کا ساتھ دیا ہے یعنی وہ پارٹی جسے آج وہ "مرکزی ڈکٹیٹر شپ" قرار دے رہے ہیں۔ ہم ملک صاحب سے پوچھتے ہیں کہ ان پر یہ عقدہ کب کھلا کہ یہ طائفہ آمرین ہے؟ کیا گورنر اور وزیر رہتے ہوئے وہ یہ کچھ نہ بھانپ سکے اور جب "ملک ہاتھوں سے گیا" تو ان کی آنکھیں کھلیں؟

یہ کچھ ملک صاحب پر ہی موقوف نہیں۔ اور اس وقت ہم تنہا انہی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتے کیونکہ یہ انداز ہر وہ شخص اختیار کر لیتا ہے جس کے ہاتھ سے حکومتی عہدے چھن جاتے ہیں۔ آپ کسی سابق وزیر کے بیانات کو لیجئے ان میں یہ رنگ نمایاں ہوگا۔ اس وزیر کے ان بیانات کو دیکھا جائے جو اس نے برطرفی سے پہلے دیئے تھے وہ سارے کے سارے اس "ڈکٹیٹر شپ" کی حمایت میں ہونگے یہی نہیں اس کے بعد اسی شخص کو پھر سے وزیر بنا دیجئے اس کے بیانات کا انداز یکسر بدل جائیگا اور یوں معلوم ہوگا جیسے وہ اور ان کے رفقاء بالکل معصوم ہیں۔ اور وہ وہی کچھ کریگا جو اس کے ساتھی کر رہے ہوں گے اور جسے وہ حکومت سے علیحدہ ہو کر آمریت اور کیا کیا کچھ قرار دے چکا تھا۔

آپ حیران ہوں گے کہ ان ارباب سیاست میں اتنا بدیہی تضاد کیوں پایا جاتا ہے؟ اس میں شبہ نہیں کہ یہ انداز پستی سیرت کا کھلا ہوا غماز ہے لیکن اس میں سارا قصور انہی لوگوں کا نہیں اس میں خود قوم کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ قوم کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی شخص وزیر بنتا ہے تو وہ آنکھ بند کر کے بے تعلق ہو جاتی ہے اور مطلق نہیں دیکھتی کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اس کے ساتھی کیا کر رہے ہیں۔ لیکن جب اسے باہر نکال دیا جاتا ہے اور وہ دل کی بھڑاس نکالتا ہے تو اس کی "حق گوئی" کی داد دیتی ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ اسے فی الواقعہ حق گوئی سمجھتی ہے بلکہ اس لئے کہ اس کو دوبارہ کی گدّی اچھلتی ہے اور ہماری قوم کو ہر اس حرکت میں لذت ملتی ہے جس سے کسی کی ذلت ہو رہی ہو۔ اگر قوم احتساب کا فریضہ منصبی ادا کرے اور ارباب حکومت کے اقوال و اعمال پر مسلسل کڑی نگرانی رکھے تو یہ تضادات بھی رفع ہو جائیں اور سیاست اصول و اخلاق کے قالبوں میں بھی ڈھل جائے۔

ان "محرومین" کے ٹولے کو دیکھکر ہمارا دل دھڑکتا رہتا ہے کہ خدا خیر کرے۔ ان میں ہر روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اور اب حالت یہ ہے کہ ان کی ایک مستقل برادری بن چکی ہے جو حکومت کے ایوان سے نکالا جاتا ہے سیدھا اس برادری کے پاس جاتا ہے اور پھر سب ملکر "ملک و ملت کی بہبودی" کے لئے جو منصوبے باندھتے رہتے ہیں ان سے سب واقف ہیں۔

عہد حاضر کے نوجوان
کا
مسئلہ کیا ہے اور حل کیا؟
اسے
"سلیم کے نام"
میں دیکھئے

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ھے۔ ظاہر ھے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا۔ اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ھے۔ یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس روپے* کی ماھانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح — — —

- آپ کی پیشگی رقم سے ھمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی۔ اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی۔ اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے۔

* پہلے ماھانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ھے۔ جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاھیں وہ دے سکتے ھیں۔

معاملہ کی ضروری باتیں

- طلوع اسلام آپ کا اپنا ادارہ ہے اس لئے اس سے اسی طرح کا برتاؤ کیجئے جس طرح اپنوں سے برتاؤ کیا جاتا ھے۔ یہ بھی آپ سے ایسا ھی برتاؤ کریگا۔
- حساب میں بعض اوقات غلطی ہوسکتی ھے۔ ایسی غلطی باھمی افہام و تفہیم سے صاف کرلیجیے۔
- رسالہ کے انتظامی معاملات کے متعلق الگ خط لکھئے۔ کتابوں کے لئے الگ۔
- مضامین کے متعلق مدیر کے نام علحدہ خط لکھئے۔ نیز استفسارات مدیر کے نام الگ بھیجئے۔
- پتہ کی تبدیلی سے کم از کم دو ھفتہ پہلے اطلاع دیجئے۔
- پرچہ نہ ملنے کی اطلاع تاریخ اشاعت کے ایک ھفتہ کے اندر دیجئے۔ بعد میں رسالہ قیمتاً بھیجا جائیگا۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۷ ۔ کراچی ۔ ۳

کمیونزم

انسان کے معاشی مسئلہ کا وہ حل ہے جسے تنہا عقل نے دریافت کیا۔

لیکن اس میں انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔دونوں کی زندگی طبعی ہے جس کا خاتمہ موت کردیتی ہے۔

قرآن

اس مسئلہ کا جو حل دیتا ہے اس سے انسان اس زندگی کی خوشگواریاں بھی حاصل کرتا ہے اور اگلی زندگی میں ارتقائی منازل طے کرنے اور آگے بڑھنے کے قابل بھی ہوجاتا ہے۔

یہ حل کیا ہے؟

اس کا جواب آپ کو

☆ نظام ربوبیت ☆

(از۔ پرویز)

میں ملیگا۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھ روپے

قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ء - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1, Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM